15 درجے کی تحقیق، صبح صادق پر

﴿ اعتراضات اوران کا علمی جائزہ ﴾

اس باب میں ان اعتراضات کا تفصیلاً جائزہ لیا گیا ہے، جو بعض حضرات کو
15 درجے والی تحقیق کوقبول کرنے میں مانع ہیں۔

پہلا اعتراض :

کہتے ہیں کہ فہم الفلکیات میں سید شبیر احمد صاحب کا کاخیل نے ''تفسیر روح المعانی'' کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے:

هو اول مايبدو من الفجر الصادق المعترض فی الافق قبل انتشاره و حمله علی الفجر الكاذب المستطيل الممتد كذنب السرحان وهم۔ ''کیا اس میں حضرت (آلوسیؒ) بالکل وہی مشاہدہ نہیں بیان کررہے ہیں؟ جو اوپر راقم نے تحریر کیا ہے۔ کہ صبح صادق روشنی کے زیادہ انتشار سے پہلے ہی افق پر پھیلا (معترض) ہوتا ہے جبکہ صبح کاذب بھیڑئے کی دم کی طرح افق سے بلند ہوتی نظر آتی ہے'' ۔۔۔۔۔۔(فہم الفلکیات ص 124)

اعتراض کرنے والوں کا منشاء یہ ہے کہ مفسر علامہ آلوسیؒ کی عبارت سے 18 درجے کی تحقیق کی تائید ہورہی ہے۔ کیونکہ سید شبیر احمد صاحب کا کاخیل نے فہم الفلکیات میں اسی وقت جس مشاہدے کا ذکر کیا ہے، وہ بعینہ اسی طرح ہے جیسا کہ علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے۔

﴿ جواب ﴾

فہم الفلکیات میں جو حوالہ روح المعانی کا مذکور ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ بیاضِ مستطیر کا صبح صادق ہونا تو سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ جب افق شرقی پر روشنی (بیاض) مستطیر کی شکل میں ظاہر ہوکر نظر آ گئی تو بمطابق حدیث '' حتی يستطير هكذا '' صبح صادق کا حکم اس پر لگانا چاہئیے اب آگے مزید کسی چیز (مثلاً پھیلنے وغیرہ) کے انتظار کی کیا دلیل ہوگی جس کے ساتھ صبح صادق کو مقید کردیا جائے؟ لہٰذا صبح صادق کیلئے بغیر کسی قید و شرط کے اتنا کافی ہے کہ اس کی بیاض کی استطارت ثابت ہوجائے۔ اور ظاہر ہے کہ روح المعانی کی عبارت میں یہی بات مذکور ہے۔ وہ فرما رہے ہیں کہ بیاض مستطیر کے ظہور کے بعد جو لوگ انتشار کی قید لگا کر پہلی ظاہر ہونے والی بیاض کو کاذب پر حمل کرتے ہیں ان کا استدلال وہم کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ احادیث کی روشنی میں صبح کاذب کا دورانیہ بیاض کی استطارت پر ختم ہوجاتا ہے۔ لہٰذا عبارت مذکورہ کا ہمارے اختلاف کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اختلاف اس بات میں ہے کہ اصل صبح صادق جو بیاض مستطیر ہوکر ظاہر ہوتی ہے اور جس کو علامہؒ فرما رہے ہیں کس وقت طلوع ہوتی ہے؟ اس فیصلے پر علامہؒ کی عبارت دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ اس کیلئے ان نشانیوں کو دیکھنا پڑیگا جو صبح صادق کیلئے منقول ہیں چاہے علامہ نے ذکر کئے ہوں چاہے دیگر فقہاء سے منقول ہوں کہ آیا یہ نشانیاں 18 درجے پر ظاہر ہونے والی روشنی پر صادق آتی ہیں یا نہیں؟ یہاں آ کر قارئین حضرات فہم الفلکیات کی عبارت کو دوبارہ

ملاحظہ فرمائیں۔عرض یہ ہے کہ سید کا کاخیل صاحب نے روح المعانی کی جوعبارت اوپر تحریر فرمادی اس کا ہمارے دعوے پر کیا اثر پڑتا ہے؟ کیا ہم صبح صادق کو مستطیر نہیں مانتے؟ کیا ہم نے استطارت کو انتشار کیساتھ مشروط قرار دیا ہے؟ علامہ کی عبارت میں تو یہ باتیں ہیں۔۔۔سید صاحب نے علامہؒ کی عبارت دلیل بنا کر جس بیان مشاہدہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:

''اب اس فنی سہو کے بارے میں عرض ہے کہ جس وقت فجر صادق کا پہلا لمحہ ظہور میں آتا ہے اس وقت ایک وسیع نصف دائرے کی قوس مشرق کی طرف شمالاً جنوباً نمودار ہوتی ہے۔۔۔۔۔اس قوس میں روشنی بہت کم ہوتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا ہے حتی کہ یہ روشنی اتنی زیادہ ہوجاتی ہے کہ اس کے کناروں سے روشنی پھیلنے لگتی ہے یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب سورج افق سے پندرہ درجہ نیچے پہنچ چکا ہوتا ہے''۔۔(فہم الفلکیات ص123)

حالانکہ اس سے اس بات کی تائید تو نہیں ہوتی۔۔۔کہ علامہؒ جو تحریر فرمارہے ہیں کاکاخیل صاحب نے وہی چیز 18 درجے کے وقت دیکھی تھی۔۔۔بلکہ یہاں اگر معمولی غور کر کے دیکھا جائے تو درحقیقت یہاں کاکاخیل صاحب خود اپنے مشاہدے کی گواہی دے رہے ہیں کہ میں نے جو منظر مشاہدہ کیا وہ بعینہ وہی تھا جو علامہؒ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔تو یہ کاکاخیل صاحب کی طرف سے ایک دعوی ہوگیا اب کوئی بھی دعوی جب سامنے آتا ہے تو اس میں سچ، جھوٹ ،صحیح اور غلط سب کا احتمال پایا جاتا ہے۔لہٰذا کسی ایک جانب کو متعین کرنے کیلئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔اب اگر مذکورہ بالا دعویٰ کو کاکاخیل صاحب کی طرف سے صحیح مان لیا جائے تو اس مقصد کیلئے ضروری ہے کہ اس کو پرکھا جائے۔۔۔اللہ معاف فرمائیں، سید صاحب کی طرف جھوٹ کی نسبت ہمارے گوشہ خیال میں بھی نہیں آسکتی مگر غلطی یا خطا کا امکان کسی کی شان کی منافی نہیں ہے۔لہٰذا یہاں تحقیق کے حوالے سے یہ دیکھا جائے گا کہ جو علامات کاکاخیل صاحب نے بیان فرمائی ہیں آیا اس وقت کی معروف روشنی، جسے فلکی شفق (Astronomical Twilight) کہا جاتا ہے اس، میں وہی نشانیاں پائی جاتی ہیں جو سید صاحب نے تحریر فرمائی ہیں؟

اس مقصد کیلئے دو کام کئے جاسکتے ہیں:

(۱) اول تو یہ خود مشاہدہ کیا جائے، اس حوالے سے اگلے صفحات میں علماء کرام محققین اور خصوصاً عرب شیوخ کے بار بار مشاہدات اور تجربات کی داستان کا تذکرہ تفصیل کیساتھ اگلے اعتراض کے جواب میں ان شاء اللہ آرہا ہے، جس سے معلوم ہوجائے گا کہ اس وقت روشنی کی وہ کیفیت نہیں ہوتی جو سید صاحب فرمارہے ہیں۔مزید برآں ہم نے حفاظ، فضلاء اور علماء کرام کی جماعت پر مشتمل متعدد بار عشاء اور صبح کے مشاہدات کئے جن سے سید صاحب کے بیان کے برعکس 15 درجے کی تحقیق کی تائید ہوگئی۔

(۲) دوسرا کام یہ کیا جاسکتا ہے کہ سید صاحب جس وقت کی جو نشانیاں بیان فرمارہے ہیں اس وقت کو واقعی اگر سید صاحب کے بیان کے مطابق صبح صادق مان لیا جائے تو آیا اس سے روایات اور نصوص فقہاء کی مخالفت تو لازم نہیں آتی۔۔۔؟ اس پر تفصیلی بحث ہم نے رسالہ '' **کشف الستر عن اوقات العشاء و الفجر** '' میں کی ہے مگر یہاں اجمالاً یوں سمجھ لیجئے گا کہ اس وقت صبح صادق ماننے سے روایات کو مدنظر رکھ کر چند خرابیاں لازم آتی ہیں:

1۔ اس صورت میں صبح کاذب کا قضیہ مزید پیچیدہ اور ناقابل حل رہ جاتا ہے۔روایات کو اگر مدنظر رکھا جائے تو ان احادیث کا کوئی محل اور مصداق نہیں بنتا جن میں صبح کاذب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

2۔ اسی طرح رویات کو مدنظر رکھ کر متعدد علامت اور نشانیاں ایسی ہیں جن کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔مثلاً صبح صادق اور کاذب کے درمیان اتصال ان کے طلوعین کے درمیان کم وقفہ، جو کہ علامہ شامی کے قول کے مطابق 3 درجے ہیں، کا پایا جانا، صبح کاذب کا عمومی طور پر روزانہ صبح صادق سے پہلے طلوع ہونا وغیرہ وغیرہ۔

دراصل بات یہ ہے کہ اختلاف اس میں نہیں ہے کہ علامہ آلوسیؒ جس بیاض کو صبح صادق قرار دے رہے ہیں ہم وہی صبح صادق تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسی کو

تو ہم بھی صبح صادق کہتے ہیں۔اصولی اور علمی طور پر تو اس بات میں کوئی اختلاف نہیں، کہ بیاض مستطیر صبح صادق ہے۔اصل سوال یہ ہے کہ فریقین میں سے دعوی کس کا صحیح ہے اور کس کا غلط؟ ظاہر ہے کہ ہر فریق یہی کہتا ہے میری بات درست ہے۔لہٰذا فہم الفلکیات کی عبارت کا زیادہ سے زیادہ یہی مطلب ہے۔۔۔۔۔حالانکہ یہ بات تو کوئی بھی لکھ سکتا ہے کہ ہم جس روشنی کی بات کرتے ہیں اس وقت وہی منظر ہوتا ہے جس کو علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں ذکر کیا ہے ۔۔۔۔۔اب یہ فیصلہ کون کریگا؟ ظاہر بات ہے کہ یہ دعوے، یہ باتیں تو ہر فریق کہیں گے مگر یہ سب جانتے ہیں کہ ہر شخص کی ہر بات محض اس کے کہنے کی وجہ سے نہیں مانی جاسکتی۔خلاصہ کلام یہ کہ فہم الفلکیات میں سید صاحب کا یہ فرمانا کہ: ''کیا اس میں حضرت (آلوسیؒ) بالکل وہی مشاہدہ نہیں بیان کررہے ہیں؟ جو اوپر راقم نے تحریر کیا ہے۔کہ صبح صادق روشنی کے زیادہ انتشار سے پہلے ہی افق پر پھیلا (معترض) ہوتا ہے جبکہ صبح کاذب بھیڑئے کی دم کی طرح افق سے بلند ہوتی نظر آتی ہے'' (فہم الفلکیات ص 124) بجا مگر یہ اور اس جیسے بیانات کو اس وقت تک قبول کرنے سے ہم معذور ہیں، جب تک اصول تحقیق کے سامنے اس کو پیش کر کے اس کی صحت ثابت نہ کیا جائے۔

(واللہ اعلم)

اعتراض نمبر ۲

ان میں ایک اعتراض یہ تھا کہ یہ 15 درجے کی تحقیق حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ کا تفرد ہے۔جبکہ 18 درجے کا قول جمہور کا ہے۔

اس اعتراض سے ان حضرات کا منشاء یہ تھا کہ اس (15 درجے کی تحقیق) پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ جمہور کے مقابلے میں کسی شخص کے تفرد پر عمل واجب نہیں ہوتا۔(یہ ان حضرات پر اس فقیر کا حسن ظن ہے، کیونکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس اعتراض سے ان حضرات کی مراد 15 درجے کی تحقیق کو باطل قرار دینا ہو۔) لہٰذا مندرجہ ذیل تقریر میں نہایت خوبصورت انداز میں اس علمی اشکال کو رفع کیا گیا ہے۔(جسکو الگ طور پر شائع کر کے تقسیم بھی کیا گیا تھا)

جواب

کیا یہ مفتی صاحبؒ کا تفرد ہے؟

راقم نے جن حضرات کو نقشہ اوقات نماز جدیدہ کے بارے میں مطلع کر کے انکی خدمت میں گزارش کی کہ اوقات نماز کا مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔لھذا آپ حضرات (پرانے اور جدید دونوں نقشوں کے بارے میں) احسن الفتاویٰ ج ۲/ اور مسلسل مشاھدات کے ذریعے کسی ایک جانب اپنے آپکو مطمئن کریں۔یہ نہیں کہ بیسوں سال سے ایک نقشہ اوقات مرتب ہو کر مسجد میں لٹکا دیا اور بس۔اس گزارش میں ہم نے ان حضرات کی خدمت میں یہ بھی عرض کر دیا ہے کہ اگر ہماری بات کو آنکھیں بند کر کے رد کرنا مناسب سمجھتے ہیں تو بے شک کر لیجئے کیونکہ اس عاجز کا مرتبہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اسکی بات کو سنی ہی نہ جائے۔لیکن آپ پرانے نقشے جو استعمال کررہے ہیں کم از کم اسکو تو پرکھ کر ذرا اپنی تسلی مشاھدے کے ذریعے کریں۔مطلب یہ کہ اگر ہماری بات دلائل کے ہوتے ہوئے بھی قبول کرنے کے قابل نہیں ہے تو نہ سہی، مگر جس بات کو سالہا سال سے قبول کر بیٹھے ہیں اسکی تو کم از کم ایک دلیل صریح یا مشاھدات عینیہ کیساتھ موافقت ہونی چاہیئے۔

اس دردمندانہ گزارش کے بعد ان تمام اہل علم کی منصبی اور علمی ذمہ داری تو یہ بنتی تھی کہ کسی نہ کسی درجے میں اس مسئلہ کے بارے میں کوشش فرماتے۔یا کسی محقق سے پوچھ کر اپنی تسلی کرتے۔اگر اتنا بھی ان سے نہ ہوسکتا تھا، تو (نہایت معذرت کیساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ) کم از کم یہ ضرور کرتے اور اس سے نیچے کا درجہ تو عوام الناس کا ہے کہ غروب آفتاب کے بعد غروب شفق احمر اور شفق ابیض کا مشاھدہ کہیں کھلے میدان سے اپنی آنکھوں سے کر لیتے۔اگر یہ مذکورہ بالا تمام امور ان حضرات کو مشکل معلوم ہوتے تو چلو ایک اور حل بتلا دیتا ہوں اور غالباً اس سے آسان کام تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اس فقیر کو اپنے پاس بلاتے، تاکہ اس موضوع پر آپس میں کوئی تسلی بخش گفتگو ہو جاتی۔ان شاء اللہ یہ عاجز ضرور خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کر لیتا۔

مگران تمام مراحل اور بار بار رابطے کے باوجود انھوں نے اس بات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔شاید انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ کہیں ہماری توجہ اس شخص کی تشہیر بے جا کا باعث نہ بن جائے لھذا چشم پوشی فرماتے ہوئے اس مسئلہ کو ایک، دو محلوں تک محدود سمجھ کر یہ خیال کیا کہ یہ بندہ بولتے بولتے خود ہی چپ ہو جائیگا۔ان میں سے بعض حضرات سے ملاقات پر یہ بات سننے میں آئی کہ یہ مفتی رشید احمد صاحبؒ کا تفرد ہے اور ان (کہنے والوں) میں بعض وہ حضرات بھی شامل ہیں جو مستند مدارس میں فتویٰ کا کورس کر کے مفتی بننے کی سرٹیفکیٹس (اسناد) سے بھی نوازے گئے ہیں۔لہٰذا اس مقام پر اس شبہ کا ازالہ مقصود ہے کہ یہ واقعی مفتی مرحوم کا تفرد ہے یا ایک غلط فہمی ہے جو ہمارے ان پیاروں کو لاحق ہوئی ہے؟ تفرد کے بارے میں تفصیلی گفتگو کرنا بے فائدہ طوالت کا باعث بن رہا ہے۔میں ان حضرات کی خدمت میں صرف ایک سوال ایک مثال کیساتھ عرض کروں گا۔امید ہے کہ یہ حضرات اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

ائمہ اہل سنت والجماعت **طلاق ثلثه بكلمة واحدة** میں **وقوع ثلثه** کے قائل ہیں۔اور ''**وقوع طلاق واحد**'' والی رائے کو باطل قرار دیتے ہیں۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب حافظ ابن تیمیہؒ کی بات ان کے سامنے آتی ہے تو جواب میں کہا جاتا ہے کہ حافظ صاحبؒ اگر وقوع طلاق واحد کی رائے رکھتے ہیں تو وہ حافظ صاحب کا تفرد ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حافظؒ کی تحقیق سے متاثر ہو کر وہ دلائل ہمارے ان حضرات کے سامنے پیش کر دے تو کیا اس شخص کے سامنے ان حضرات کا صرف یہ جواب کافی ہوسکتا ہے کہ ''یہ حافظ صاحبؒ کا تفرد ہے''.....؟نہیں جی! بالکل نہیں، بلکہ ان پر لازم ہوگا کہ **وقوع طلاق ثلثه** کے اثبات میں اتنی ہی قوت کیساتھ دلائل پیش کر دیں جن سے حافظ صاحبؒ کی تحقیق اگر رد نہیں تو کمزور اور مغلوب ضرور ہو جائے یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر علماء نے وقوع طلاق ثلثہ کے اثبات اور وقوع طلاق واحد کی تردید میں مستقل تصنیفات لکھی ہیں۔خلاصہ یہ کہ کسی مسئلہ میں کسی صاحب علم کی تحقیق کو تفرد قرار دینے کیلئے ضروری ہے کہ اسکے دعویٰ کے خلاف دعویٰ رکھنے والے اپنا دعویٰ اقویٰ دلائل سے مبرھن کر دیں۔ایک بار پھر عرض کر رہا ہوں۔قائلین وقوع طلاق ثلثہ اہل سنت والجماعت کے پاس اگر اپنے دعوی پر دلائل نہ ہوتے تو کیا اس صورت میں حافظ صاحبؒ کا قول تفرد بن سکتا تھا.....؟ ہرگز نہیں

تو پھر ان حضرات سے **ایک سوال** یہ ہے، کہ نقشہ قدیمہ کے اثبات پر ان کے پاس کون سے دلائل ہیں جن کے زریعے نقشہ قدیمہ جمہور کا اور حضرت مفتیؒ کی مدلل تحقیق پر مبنی نقشہ تفرد بن جائے۔۔۔؟

یا اگر اصولی بات عرض کر دوں کہ ان کا ''تفرد، تفرد کہنا'' کیا ہے دعویٰ ہے یا دلیل۔۔۔؟ انکے کہنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے نزدیک دلیل ہے کیونکہ اس بات کو بار بار پرانے نقشوں کے اثبات کیلئے معرض استدلال میں پیش کر رہے ہیں۔حالانکہ اصول فقہ میں ''تفرد'' نامی کوئی دلیل کا خانہ ہی نہیں ہے۔۔۔اور اگر یہ انکا دعویٰ ہے اور حقیقت میں یہ دعویٰ ہی ہے، تو پھر ان کے ذمے اس دعوے پر دلیل پیش کرنا لازم ہے، مگر اس صورت میں بھی یہ حضرات دلیل نہیں پیش کر سکے۔بلکہ ''تفرد'' کو دعویٰ قرار دینے کی صورت میں تو انکو دو قسم کی دلیلیں پیش کرنے پڑیں گے ایک ''دعویٰ تفرد'' کے اثبات کیلئے جبکہ دوسری دلیل پرانے نقشے کے اثبات کیلئے۔مقصد تو ان حضرات کا یہ تھا کہ محض ''تفرد، تفرد'' کہنے سے ہمارا ذمہ بری ہو جاتا ہے، حالانکہ اس صورت میں تو انکے ذمے کام ڈبل ہو گیا۔اب رد تفرد پر مثبت کلام سن لیجئے۔

تفصیل اس کی یہ ہے یہ تحقیق حضرت مفتی صاحبؒ کا ہرگز تفرد نہیں ہے کیونکہ ایک تو اس کا تفرد ہونا ان حضرات سے مذکورہ بالا سوال کے جواب پر موقوف ہے۔جب تک یہ حضرات مدلل جواب نہیں دیں گے تو اس کو تفرد قرار دینا باطل ہے کیونکہ موقوف کے اثبات کیلئے موقوف علیہ کا وجود شرط ہے۔اور وہ ابھی تک انکے ذمے باقی ہے۔دوسری بات یہ کہ حضرت مفتی صاحب نے ایسے بیسوں علماء متقدمین و متاخرین کے اقوال نقل فرمائے ہیں جو ماہرین فن ہونے کے ساتھ ساتھ ماہرین شریعت بھی تھے۔(اب تو اس موضوع پر عرب محققین کی ایک کثیر تعداد کی تحریرات سامنے آ گئیں، جو کہ اکلے اعتراض کے جواب کے ضمن میں آ رہی ہیں) اتنی کثیر تعداد علماء شریعت وفن، متقدمین و متاخرین کے ہوتے ہوئے حضرت مفتی صاحب کی تحقیق تفرد ہوا یا جمہور کا مسلک ہوا.....؟اس کے علاوہ علامۃ العصر حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتھم کا فتویٰ (ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ) فتاویٰ فریدیہ جلد دوم میں اسی تحقیق کے

مطابق (بلکہ ایک فتوے میں تو باقاعدہ حضرت مفتی رشید احمدؒ کی تائید کی صراحت) موجود ہے۔اس کے علاوہ اس علاقہ میں کئی علماء کیساتھ ملاقاتیں ہوئی ہیں جو کہ عرصہ دراز سے آج تک اپنے مشاہدات کی بنا پر اوقات نماز کی نگرانی کر رہے ہیں۔الحمدللہ ان بزرگوں کے مشاہدات سو فیصد ہماری تحقیق کے مطابق نکلے ہیں۔راقم نے اپنے علاقے کے تجربہ کار علماء کے علاوہ ملک کے دیگر مستند مدارس کے دارالافتاؤں میں چند سوالات ارسال کئے جن میں صبح صادق وکاذب کی نشانیوں اور پرانے نقشوں کے مرتبین حضرات کے بنیادی اصولوں کے بارے میں استفتاء کیا گیا تھا۔جس سے بھی رابطہ ہوا ہے سب نے پرانے نقشوں کے مرتبین کی تردید میں جواب (فتویٰ) ارسال فرمایا ہے۔ان میں سے چند مشہور مدارس کے نام عرض کر دیتا ہوں :

(۱) دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (۲) جامعہ امدادالعلوم پشاور صدر (۳) جامعہ عثمانیہ پشاور (۴) جامعہ فریدیہ اسلام آباد (۵) مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی (۶) جامعہ فاروقیہ کراچی (۷) مدرسہ انوارالعلوم مہند ایجنسی

اس کے علاوہ عرصہ 40 سال سے اس خدمت میں لگے ہوئے اس فن کے ماہر بزرگ انجنیئر ملک محمد بشیر احمد بگوی صاحب 18 درجے کی بنیاد پر اسلام آباد کیلئے مرتب کردہ نقشے کے ذیل میں احتیاط کا پہلو کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عصر حاضر کے بعض محققین جن میں مفتی رشید احمد لودھیانوی (متوفی 1422ھ\2002ء) سرفہرست ہیں، جن کے نزدیک نماز فجر 15 درجہ عمقِ شمس پر ہوتی ہے (اور نماز عشاء بھی) امریکہ میں اسی پر عمل ہے۔کرمیٹولہ چھاؤنی (ڈھاکہ\1971ء) میں راقم (بگوی) کا مشاہدہ 15 درجے (یعنی مفتی صاحب کی تحقیق) کے قریب کا تھا۔1985ء میں ریاض میں مملکت سعودیہ کے شرعی امور کے سربراہ کے 2 نمائندوں نے راقم (بگوی) کی موجودگی میں یک روزہ مشاہدہ بھی 15 درجہ (یعنی مفتی صاحب کی تحقیق) کے متصل پایا.....'' (یہ تحریر بگوی صاحب کی، رجوع سے پہلے دور کا ہے۔راقم)

مزید برآں ہم نے بھی چند احباب سمیت کئی راتیں مشاہدہ کر کے مفتی مرحوم کی تحقیق کو درست پایا پس ہمارے لئے ظاہر مشاہدے سے پرانے نقشوں کا یہ عدم موافقت ہی نئے نقشے کے مرتب کرنے کا باعث بن گیا۔اب اس کے باوجود بھی اگر ایک شخص اس تحقیق کو تفرد قرار دیتا ہے تو اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔

ان حضرات سے **دوسرا سوال** یہ کہ اگر اہل باطل بھی اس طرح ہر مخالف مسئلہ میں تفرد، تفرد کا سہارا لینا شروع کر دے تو پھر فرمادیجئے گا کہ یہ حضرات ان پر حق کیسے ثابت کرینگے اور ان کو کیا جواب ارشاد فرمائیں گے۔۔۔؟ دونوں سوالات کے بارے میں عرض کرتا ہوں **فما هو جوابهم فهو جوابنا** [1]

آخر میں **گزارش** ہے کہ: اوقات نماز پنجگانہ کو پہچاننا (بلاواسطہ ہو یا بلواسطہ ہو) مسلمانوں پر فرض ہے، لہٰذا علاقہ بھر میں تمام مسلمان خصوصاً دیہات کے مکین کھلے میدانوں سے سال بھر میں مختلف اوقات کے مشاہدات کے ذریعے ہمارے مرتب شدہ نقشے کے بارے میں اپنے آپ کو مطمئن کر سکتے ہیں۔کسی کو یہ مشکل درپیش آسکتی ہے کہ صبح صادق کا صحیح مشاہدہ اس پر مشتبہ ہو جائے لیکن فن فلکیات کا ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ مغرب کی جانب صبح صادق اور مشرق کی جانب شفق ابیض، دونوں کی کیفیت اور دورانیہ بالکل (same) یکساں ہوتے ہیں۔لہٰذا شفق ابیض کا مشاہدہ ہر عام وخاص کر کے کوئی بھی نقشہ اوقات بہت آسانی سے پرکھ سکتا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

از شوکت علی قاسمی صوابوی

(۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ)

---

[1] یہ تحریر چونکہ پہلے (۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ) شائع ہوگئی تھی اسلئے یہاں نقل کی گئی، ورنہ اگلے اعتراض، جمہور کا مسلک، کے جواب کے ضمن میں یہ اعتراض حل ہو جاتا ہے۔

﴿اعتراض نمبر 3﴾

بعض حضرات کو یہ شبہ پیش آیا ہے کہ چونکہ پہلے نقشوں پر جمہور علماء (یعنی اکثر علماء) کا عمل ہے۔لھٰذا ان اکابر اور علماء وقت کا یہ عمل پرانے (یعنی 18 درجے والے) نقشے کی صحت اور نئے (یعنی 15 درجے والے) نقشے کے غلط ہونے کی دلیل ہے۔

﴿ پہلا جواب ﴾

واقعی یہ شبہ بہت قوی ہے کہ جب ایک مسئلہ پر پورے ملک کے (اگر چہ نہ سہی مگر اکثریت) علماء کا اتفاق ہو تو اس کے خلاف (تحقیق کو تسلیم) کرنا ہر ایک کی بس کی بات نہیں ہوتی۔واقعی یہ شبہ نہایت قوی ہے اور اسی شبہ نے اس فقیر کو بھی ابتداء میں متاثر کیا تھا۔مگر جب ایک بات حقیقت ہوتی ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد سے کسی نہ کسی طریقہ سے طالبانِ حق پر اس کی حقیقت کھل جاتی ہے، ہاں یہ صورت (عوام کیلئے تو نہیں البتہ) خواص کیلئے ایک آزمائش کا مرحلہ ضرور بن جاتا ہے۔لھٰذا اہل علم حضرات کی خدمت میں نہایت مؤدبانہ گزارش ہے، کہ محض سنی سنائی یا بلا تحقیق کسی بات پر اعتماد کر کے اپنے آپ کو آزمائش میں ناکام نہ بنادیں۔بلکہ اپنی علمی اور منصبی ذمہ داری کو مدنظر رکھتے ہوئے شرعی اصولوں پر اسی بات کو پرکھنا چاہئے۔اب آیئے مذکورہ بالا شبہ کا علمی جائزہ لیتے ہیں:

﴿1﴾ اہل علم کا کثیر تعداد میں اتفاق واقعی تسلی اور صحت کا سامان بن کر کسی مسئلہ کی صحت پر دلالت کرتا ہے، مگر اس صورت میں ایک نہایت اہم شرط کا لحاظ ضروری ہوتا ہے: ''وہ یہ کہ اہل علم حضرات کی یہ کثیر تعداد بذات خود اسی مسئلہ کو زیر بحث لا کر اس پر نفیاً یا اثباتاً تحقیق کر چکے ہوں''

اب اگر کسی تحقیق میں یہ شرط تو نہ پائی جائے بلکہ اکابر بزرگوں (جیسا کہ پرانے نقشے کو شیخ الحدیث حضرت العلامہ محمد یوسفؒ بنوری اور مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیعؒ) کی طرف اس کو منسوب کی جارہی ہو اور ان بزرگوں کی مسلمہ شخصیت ہونے کی وجہ سے ملک کے اندر بڑے بڑے علمی حلقوں نے اس کو بعینہ قبول کرلیا۔۔۔(یہاں پر یہ نہ سمجھا جائے کہ راقم اکابر علماء حضرات کی اتباع کو حرام قرار دے رہا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اتباع کرتے ہوئے اس تحقیق کا کم از کم مطالعہ تو کرنا چاہئے۔تاکہ یہ ان بزرگوں کی تحقیق ہو تو سہی! ایسا نہ ہو کہ ''ان بزرگوں کی تحقیق'' کے نام پر کوئی بات ویسے شہرت پا چکی ہو) تو بات یہ عرض کررہا تھا کہ بزرگوں (کی تائید کی وجہ سے تحقیق ان) کی طرف منسوب ہو کر ایک بات شہرت اختیار تو کرلیتی ہے مگر محض سنی سنائی اتباع کے علاوہ کسی محقق عالم کی تحقیق اس پر موجود نہیں ہوتی۔لہٰذا اس کا لحاظ کرتے ہوئے ملک کے اکثر علماء حضرات کا اس کو قبول کرنا بالکل عام ہو جاتا ہے۔اب بظاہر تو یہ تعداد علماء کی نظر آرہی ہے، مگر حقیقت میں اسکو علمی اور تحقیقی قوت ایک مستند عالم کی بھی حاصل نہیں ہوتی ۔

﴿2﴾ دوسری طرف اس کے برعکس ایک عالم ربانی (جیسا کہ نئے نقشے کے اثبات میں فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمدؒ لودھیانوی) نے نہایت قوی اور ٹھوس شہادتوں سے مبرہن کر کے ایک تحقیق پیش کی ہو اور علی الاعلان اس کو چیلنج کے طور پر شائع کر چکے ہوں۔اور یہ شخصیت بھی اصلاح باطن، علمیت اور مسائل فقہیہ میں ملک کے گوشے گوشے میں اپنا لوہا منوا چکی ہو۔البتہ اکابر کی حیثیت رکھتے ہوئے اول الذکر بزرگ حضرات کے احترام کا درجہ مؤخر الذکر حضرت کی بنسبت زیادہ ہو۔مگر باوجود ان سب باتوں کے زیر بحث موضوع اور متعلقہ فن میں مؤخر الذکر حضرت ایک محقق اور نہایت ماہر فن کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہوں۔جو شخصیت علمی اور فنی مہارت میں ایسے مقام پر فائز ہو، تو دیانت وانصاف کے میدان میں، محض اکابر بزرگوں میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے، ان کی مفصل اور مدلل تحقیق کو آنکھے بند کر کے رد کرنا قطعاً علمی روایات کے خلاف ہوگا۔

﴿3﴾ قارئین حضرات ''پہلی تحقیق'' کی حیثیت کو ملاحظہ فرمائیں اور اس کے مقابلے میں ''مؤخر الذکر تحقیق'' کا وزن کیجئے گا۔بظاہر تو پہلے والی شخصیت کے ماننے والوں کی تعداد نہایت زیادہ جبکہ دوسری کی کم ہے۔مگر علمی اور تحقیقی غور وفکر جتنا دوسرے والے کی موقف کو حاصل ہے, وہ پہلے والے سے کئی درجہ قوی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ نفس اکثریت علماء کے اتفاق رائے ایک تحقیق طلب مسئلہ میں کافی نہیں ہوتا۔کیونکہ پہلے عالم کی بات کو اکثریت کی جو حمایت حاصل ہے اس کی بناء خارجی عوامل پر ہے جس کو آپ حسن ظن اور عقیدت کہہ سکتے ہیں۔اور ظاہر بات ہے کہ حسن ظن اور حسن عقیدت تحقیق اور غور وفکر کا حصہ

نہیں ہیں۔لھذا جہاں پر ایک مسئلہ کے متعلق محققانہ فیصلہ کی بات آجائے تو وہاں پر ''اکثریت'' اگر ملحوظ رکھی بھی جائے تو اس میں ایسے حضرات علماء کا اعتبار کیا جائے گا جنہوں نے تحقیق کرتے ہوئے کسی ایک کا ساتھ دیا ہو۔

﴿4﴾ مذکورہ بالا ساری تفصیل تو تب ہے جبکہ پہلی تحقیق کی نسبت اکابر بزرگوں کی طرف صحیح مان لیا جائے لیکن اگر پہلی والی تحقیق اکابر میں سے کسی بزرگ سے ثابت ہی نہ ہو، بلکہ ایک فن فلکیات کے جاننے والے کی مرتب شدہ ہو اور اس صاحب کے تمام حوالجات مسلم اور غیر مسلم ماہرین پر مشتمل ہو جنکو اگرچہ متعلقہ فن میں مہارت حاصل ہو لیکن فنی مہارت تو اس وقت کوئی شئے ہی نہیں، جب تک اس کے نتائج کو شریعت کے اصولوں پر پیش کر کے ان کے موافق ثابت نہ کئے جائے۔اور ظاہر ہے کہ اصول شریعت پر پرکھنا کسی بھی غیر مسلم ماہر فلکیات یا اس مسلم ماہر فن کا کام نہیں ہے جس کو اصول شریعت پر مکمل دسترس حاصل نہ ہو۔۔۔اب اگر اس پہلے والی تحقیق سے ان بزرگوں کی تائید تھوڑی دیر کیلئے منقطع فرض کیا جائے۔۔۔ تو اب بتا دیجئے گا کہ مؤخر الذکر، عالم دین اور فقیہ وقت ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر فن بھی ہے، کے مقابلے میں پہلے والی تحقیق کی کوئی حیثیت باقی رہ سکتی ہے؟

ازالہ شبہ: اب قارئین حضرات کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ اگر 18 درجے والی تحقیق اتنی کمزور تحقیق تھی تو پھر اس کو بزرگو ں کی تائید کیونکر حاصل ہوگئی۔۔؟ اس کا تفصیلی جواب ان شاء اللہ آگے آرہا ہے یہاں اتنا سمجھ لیجئے گا کہ جب بقول پروفیسر عبداللطیف صاحب ان حضرات کو فن کا علم حاصل نہیں تھا تو خطاء کا امکان زیادہ متوقع ہوجاتا ہے۔لہٰذا یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ ان بزرگوں نے ماہر فن پر اعتماد کر کے اس کی تائید کی ہو۔اور اس قسم کی صورت حال میں اگر خطاء واقع ہوجائے تو اس سے کسی بزرگ کی عظمتِ شان میں کمی نہیں آتی (اس کی وضاحت آگے آرہی ہے)۔پس جب اکابر حضرات خود اس (18 درجے والی تحقیق) کے محقق نہ ہوئے تو محض تائید کو اتنی قوت حاصل نہیں ہوسکتی جس کی بدولت ایک محقق عالم دین فقیہ العصر اور ماہر فن کی ایک محققانہ اور دلائل سے بھرپور تحقیق کو آنکھیں بند کر کے رد کیا جائے۔بلکہ ہم پر لازم ہوگا کہ بزرگوں کا احترام سر آنکھوں پر کرتے ہوئے ان حضرات کی طرف منسوب (تائیدی) تحقیق کا علمی اور تحقیقی جائزہ لیں۔اب ہم آتے ہیں اس تحقیق کی طرف جس پر (بظاہر) جمہور یا علماء کی اکثریت کا اتفاق نظر آرہا ہے۔

لیکن یہاں پہلا شرط مفقود ہے

تفصیل اسکی یہ ہے کہ 18 درجے کی تحقیق دراصل ماہرین فن فلکیات خصوصاً پروفیسر عبداللطیف صاحب (کراچی) کی ہے۔اور اکابر میں سے جن حضرات نے 18 درجے والے نقشے کی تائید فرمائی ہے ان میں حضرت مولانا یوسف بنوریؒ اور مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیعؒ ہیں۔ان حضرات کے علاوہ پورے علاقہ کیا بلکہ پورے ملک میں جن علما کے ہاں یہ نقشہ رائج ہے کسی نے بھی آج تک علمی تحقیق اور عینی مشاھدات نہیں کئے۔(اس دعوے کی دلیل ان شاء اللہ آگے ہم عرض کرینگے) حتیٰ کہ خود دارالعلوم کراچی سے استفتاء کا جو جواب ملا ہے، اس کے اندر بھی انہی بزرگوں کا تائیدی حوالہ موجود ہے۔ہماری مراد اس سے بزرگوں کے حوالے کی تنقیص ہرگز نہیں ہے، مقصد یہ ہے کہ دارالعلوم والے حضرات نے کسی اور محقق عالم دین کی تحقیق کا تذکرہ نہیں فرمایا اور بزرگوں کا بھی جو حوالہ درج ہے وہ پروفیسر صاحب کی تائید میں تحریر فرمایا ہے) اسی طرح جن علماء کرام سے ہم نے اسی حوالے سے ملاقات کی ہے ان سب نے یہی جواب دیا ہے کہ ان اکابر کی مخالفت کیسی کی جائے؟ اس جواب کے علاوہ کسی کی زبان سے میں نے کم از کم یہ بات نہیں سنی کہ ہم نے مشاھدہ کیا تو صبح صادق اور غروب شفق ابیض کو (18 درجے والے) نقشے میں دئے گئے وقت کے بالکل موافق پایا یا ہم نے دلائل پر غور کیا تو ان بزرگوں کی موقف کو قوی تر پایا۔کئی حضرات سے اس فقیر کے بار بار اصرار کے باوجود مشاھدات کیلئے کسی قسم کی ترتیب نہ بن سکی۔ذیل میں چند حوالے قلم بند کئے جارہے ہیں:

﴿1﴾ راقم الحروف نے دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مسندِ افتاء پر جلوہ افروز تمام مفتیان حضرات سے خصوصی ملاقات کی ہے جب ان حضرات نے قدیم نقشے کی صحت کا جواب ارشاد فرمایا۔تو بندہ کے دوبارہ استفسار پر صرف یہ جواب ملا کہ اگرچہ ہم نے بذات خود تو کوئی مشاھدہ نہیں کیا ہے لیکن اکابر میں سے ان بزرگوں نے اسی کی تصویب فرمائی ہے۔(بعد میں تفصیلی ریکارڈ مفتی مختار اللہ صاحب نے جب ملاحظہ فرمایا تو 18 درجے کو غلط اور 15 درجے کو درست قرار دیتے ہوئے باقاعدہ فتویٰ دیدیا)

﴿2﴾ پنجاب کے بعض علماء حضرات سے (جن میں بعض حضرات راقم کے اساتذہ بھی تھے) ملاقات پر بھی یہ جواب ملا کہ ہم نے کوئی مشاھدہ نہیں کیا ہے۔

﴿3﴾ ہمارے اپنے علاقے میں تین مدارس سے پہلے والا نقشہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ان کے ذمہ دار حضرات یہ ہیں:۔

☆ مولانا مفتی ارشاد احمد حقانی صاحب مرغز، ☆ مولانا مفتی خالد صاحب باجاور ☆ مولانا عبدالسلام صاحب مہتمم جامعہ سلمان فارسیؓ ٹوپی

یہ حضرات اپنے اپنے حلقوں میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ان میں سے خط وکتابت کے زریعے سے بھی اور بعض حضرات سے ملاقات میں یہی جواب ملا ہے کہ ہم نے نہ مشاھدہ کیا ہے اور نہ کسی قسم کی تحقیق ضروری سمجھی ہے۔

﴿4﴾ ان کے علاوہ بے شمار ایسے فضلاء حضرات سے اس بارے میں گفتگو کی جو فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ ساتھ مسند افتاء کے بھی دعوے دار تھے مگر کسی نے ماسوا اس کے، کہ ہم اکابر کا اتباع کر رہے ہیں، کوئی جواب نہیں ارشاد فرمایا۔کاش! کہ ہمارے فضلاء اور علماء اپنے علم کی ساکھ رکھتے تو ایسے موقعوں پر ایسی باتیں نہ کرتے۔ان کو پتہ ہوتا کہ اکابر کے اتباع کا کیا معنی اور حق کو تلاش کرنے کیلئے جد جہد کا کیا مطلب؟ وہ یہ حقیقت سمجھتے کہ تلاش حق اور احترام اکابر کے درمیان تباین کوئی نہیں کہ آپس میں جمع نہیں ہو سکتے۔اس کی ایک مثال آگے آرہی ہے۔

﴿5﴾ اس کے علاوہ نہایت تجسس کے باوجود کسی قابل اعتماد اور محقق عالم دین کی تحقیق پر مشتمل کوئی رسالہ یا کتاب نہیں ملی۔مگر اس سب کچھ کے باوجود جب اس پر اتنے دعوے کیساتھ عمل کو دیکھا جائے تو (معاذ اللہ) قرآن وحدیث سے اس پر عمل کسی طرح کم نہیں سمجھا جاتا۔

قارئین کرام! اس تحقیقاتی سروے کا لب لباب یہ ہے کہ پرانے نقشے پر اگرچہ اکثر علماء کا عمل نظر آرہا ہے مگر اس میں وہ شرط نہیں جو اسکی قوت کیلئے ضروری ہے۔یعنی کسی عالم نے تحقیق کر کے ساتھ نہیں دیا ہے بلکہ بزرگوں پر حسن ظن یا عقیدت کی بنیاد پر اس کا ساتھ دیا جارہا ہے۔

کیا 18 درجے والی تحقیق واقعی بزرگوں کی تحقیق تھی؟

لیکن عقدہ یہاں پر بھی آکر نہیں حل ہوتا کیونکہ جن اکابر حضرات کی طرف پرانے نقشے کی تحقیق منسوب کیا جارہا ہے اور جن کا ہر عام وخاص سے ہم نام سنتے چلے آرہے ہیں۔ان بزرگوں نے خود اپنی تحقیق بھی تو کوئی نہیں فرمائی اور نہ اس علم میں ان حضرات کو کوئی خاص مہارت حاصل تھی بلکہ حقیقت میں 18 درجے والی تحقیق جغرافیہ کے ایک پروفیسر محترم جناب پروفیسر عبدالطیف صاحب کی تحقیق ہے۔جس میں محکمہ موسمیات، مسلم غیر مسلم ماہرین فلکیات، اور گرین ویچ کی رصدگاہوں وغیرہ کے غیر مسلم ماہرین کے حوالوں سے پرانے نقشے کو ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔اب تھوڑی دیر کیلئے اس پروفیسر صاحب سے ان بزرگوں کی تائید اگر منقطع فرض کیا جائے تو پھر کیا اس صورت میں مفتی اعظم حضرت مولانا رشید احمد لدھیانویؒ کے مقابلے میں اس (پرانے نقشے) کو مقبولیت کا وہی درجہ حاصل ہو جائیگا جو ابھی ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوا کہ ابھی جو تائید اکثریت علماء کے عمل پیرا ہونے سے نظر آرہی ہے یہ محض حسن ظن اور عقیدت کی بنیاد پر ہے۔اور اگر ہاں میں ہے تو اس صورت میں کسی ماہر شریعت کی عدم تائید کی وجہ سے یہ جواب علمی نہیں ہوگا۔پروفیسر عبداللطیف صاحب نے راقم کو ایک خط میں بزرگوں سمیت ان 11 علما کرام کی کمیٹی (جس میں مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مفتی محمد تقی عثمانیؒ، مفتی محمد رفیع عثمانی، اور مفتی محمد رشید احمد لدھیانویؒ وغیرہ شامل تھے [1]) کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”۔۔۔بات دراصل یہ ہے کہ ان گیارہ علماء کرام کی جمعت کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ 15 درجہ اور 18 درز کا کیا چکر ہے۔یہ حضرات ان فنی باتوں سے بھی قطعی ناواقف تھے۔۔۔“ اس بیان سے کیا یہ واضح طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ ان بزرگوں نے اپنی تحقیق نہیں کی تھی بلکہ پروفیسر صاحب کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔اس کے علاوہ دارالعلوم کراچی سے جب استفتاء کیا گیا تو جواب کے طور مندرجہ ذیل تحریر ارسال فرمادی گئی: ”حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے جو آخری مشاہدات کئے تھے وہ ۱۸ درجے کے مطابق تھے، نیز اس موضوع پر پروفیسر عبداللطیف صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے ”صبح صادق وصبح کاذب“ اس میں انہوں نے

حاشیہ نمبر [1] گیارہ علماء کرام کی اس کمیٹی نے جو مشاہدات کئے ان میں 18 درجے صبح کاذب جبکہ 15 درجے پر صبح صادق نظر آگئی، ملاحظہ ہو احسن الفتاوی ج 2

قدیم اور جدید علماء کی آراء اور عمدہ تحقیق کی ہے۔ان وجوہات کی بناء پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ۱۸ درجے والے قول کو اختیار فرمایا۔'' (سید حسین احمد)

دارالافتاء دارالعلوم کراچی {فتویٰ نمبر ۰۹/۸۵۵، مورخہ: ۱۴۲۷/۲/۵ھ}

مفتی صاحب کے مشاہدات ہوئے ہیں یا نہیں؟ آخری مشاہدات میں بزرگوں نے بذات خود شرکت فرمائی تھی یا نہیں؟ ان مشاہدات کی کیفیت کیا تھی؟ اس کے علاوہ پروفیسر عبداللطیف صاحب کی تحقیق کہاں تک حقائق پر مشتمل ہے؟ انہوں نے واقعی قدیم ماہرین فن کی تائید حاصل کی ہے یا نہیں؟ انکی تحقیق کتنی عمدہ ہے؟ فتوی دینے والے حضرت صاحب نے اس کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیا بھی ہے یا نہیں؟ دارالعلوم کراچی کے فتوے پر یہ سارے اشکالات وارد ہوتے ہیں ہم یہاں اس سے بحث نہیں کرنا چاہتے۔مگر یہ بات تو مسلّم ہے،اس سے تو کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اصل تحقیق مفتی صاحبؒ کی نہیں ہے بلکہ پروفیسر صاحب کی ہے۔

کیا تلاش حق اور اس کا اظہار اکابر کے احترام کے منافی ہے؟

کوئی کوتاہ فہم مذکورہ بالا بحث سے یہ مراد نہ سمجھے کہ راقم کے نزدیک معاذ اللہ وہ بزرگ اکابر قابل احترام نہیں ہیں یا ان بزرگوں نے جان بوجھ کر جھوٹی تصدیق وتائید فرمائی تھی (جیسا کہ اس اعتراض کو پروفیسر صاحب مدظلہ نے اپنے خط میں اشارہ کیا ہے) دراصل اس بحث سے ان لوگوں کو جواب دینا مقصود ہے جو محض اس بات کی وجہ سے 15 درجے کی تحقیق کی تردید کررہے ہیں کہ اس پرانے والے کو'' قبولیت عامہ '' حاصل ہے۔تو بحث کرتے ہوئے اسکا ہم نے یہ جواب عرض کیا کہ جو علت (قبولیت عامہ کی) یہ حضرات سمجھ رہے ہیں وہ حقیقت میں یہاں موجود ہی نہیں ہے۔اور اس پر دلیل کے طور پر یہ عرض کیا کہ یہ بظاہر جو عملی عمومیت نظر آرہی ہے یہ ان بزرگوں سے حسن ظن اور عقیدت کی بنیاد پر ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تو ان بزرگوں کی تحقیق ہی نہیں ہے۔حاصل یہ کہ میں نے قبولیت عامہ کی نفی کی ہے نہ کہ ان بزرگوں پر کوئی نکیر یا اعتراض۔۔۔فافہم

لیکن یہاں یہ اشکال نہیں آنا چاہئے کہ تم نے جب پرانے نقشے کی تردید کرتے ہوئے 15 درجے کی تحقیق پر پوری کتاب لکھ ماری تو ان بزرگوں پر اعتراض یا مخالفت نہ کرنے کا کیا مطلب۔۔؟ یہ انکی مخالفت نہیں تو اور کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بھی علمی شخصیت کا مکمل احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان کیساتھ دلیل پر مبنی علمی اختلاف کو آج تک کسی عالم ربانی نے ناجائز نہیں قرار دیا ہے۔بلکہ خود ان بزرگوں کے عمل سے یہ بات ہم طالب علموں نے سیکھی ہے۔کہ اکابر کا احترام کرتے ہوئے بعض اوقات اظہارِ حق ضروری ہوجاتا ہے۔ اکابر کے احترام اور حق کی تلاش کی ایک مثال دے رہا ہوں۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اور دیوبند کے فتویٰ کی مخالفت:

دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ایک استفتاء کے جواب میں ایک فتویٰ صادر فرمایا کہ نفل نماز کی امامت کی کراہت سے رمضان مستثنیٰ ہے یعنی رمضان کی راتوں میں اگر نفل نماز کی جماعت کلا اہتمام کیا جائے تو یہ کراہت میں داخل نہیں بلکہ رمضان میں یہ عمل قیام اللیل کے زمرے میں آتا ہے جس کے بارے میں کافی روایات موجود ہیں۔۔۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں یہ استفتاء جواب سمیت ہمارے پاس آگیا کہ اس فتوے کے بارے آپ کی رائے کیا ہے؟ رمضان کے مہینے میں ذکر وعبادات کی خاطر دارالافتاء کا کام بند ہوتا ہے میں نے (مولانا مفتی) محمد تقی (عثمانی مدظلہم) کو جو کہ اس وقت درجہ موقوف علیہ سے فارغ ہوکر دورہ حدیث میں داخلہ لینے والے تھے، یہ استفتاء پکڑا کر کہا کہ تم اس کے متعلقہ کتب جمع کردو تاکہ رمضان کے بعد اس کا جواب تحریر کردوں۔اس لڑکے (حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہم) نے مجھے بتائے بغیر اس کا بہت مفصل جواب تحریر کیا جو کہ دارالعلوم کے فتوے کے برعکس تھا،اس کو پڑھ کر میں (مفتی اعظمؒ) نے اس جواب پر ایک حرف کی کمی بیشی ضروری نہیں سمجھا۔بلکہ اسی کو استفتاء کا جواب بھیج دیا۔یہ ساری تفصیل شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے ''فتاوی عثمانی'' میں موجود ہے۔

یہ تذکرہ اسلئے ضروری سمجھا کہ جو حضرات مفتی صاحب کا حوالہ دیکر آنکھیں بند کرکے پرانے نقشے سے انحراف اکابر کی مخالفت یا انکی توہین قرار دیتے ہیں انکو مذکورہ بالا واقعے سے سبق حاصل کرکے اکابر کا نہج اور حکمت کیساتھ حق گوئی سیکھنا چاہئے۔کہ ایک طالب علم جو ابھی فضلاء کی صف میں نہیں داخل،

دارالعلوم دیوبند کے مفتی کے تفصیلی فتوے کے مخالف فتوی کی جسارت کررہا ہے۔جس کوعرف میں اس کام کی اجازت ہی نہیں ہے۔مگرحق کی تلاش اوراللہ کی خاطراس کے اظہارنے اس عمل پرمجبورکیااورآنے والےنسلوں کیلئے وہم پرستی سمیت شخص پرستی کے بت پرکاری ضرب لگاکراس کوپاش پاش کرکے رکھ دیا ۔جس کے بغیرامت ترقی کے راستے پرآگے بڑھنے کاسوال ہی پیدانہیں ہوتا۔اورہمیں یہ درس دے کرجگانے کی کوشش کی کہ اکابرکااحترام اگرواجب ہےتو دین کی حفاظت اس سے بڑھ کرفرض ہے۔واقع یہی نابغہ روزگارشخصیات ہی بعد میں شیخ الاسلام اورعلامہ کی صورت میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔میں معذرت کیساتھ عرض کرتا ہوں کہ ان (اعتراضات کرنے والے) حضرات نے اپنے اکابرکوابھی تک پہچانا ہی نہیں کہ وہ تلاش حق کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی بھی کرگزرجاتے تھے۔اورجب ان بزرگوں پرایک دفعہ حقیقت منکشف ہوجاتی تو پھرحق سے ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے والےنہیں تھے۔لہٰذااب آپ کا فرض بنتا ہے کہ تلاش حق کی خاطرطریقہ سفرایسا اختیارکروکہ اس پر چلتے چلتے منزل مقصودتک بھی پہنچ جائے اورراستے میں کہیں اکابرکی بے اکرامی بھی نہ ہوجائے۔یہ سلیقہ سیکھنا علم کے دعوے کرنے والوں کا کام ہے نہ یہ کہ اکابرکے احترام کوڈھال بنا کرتلاش حق کیلئے عملی قدم اٹھانا تودورکی بات،کروٹ بھی نہ بدلے۔یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں تحقیق کرنا اکابرکے احترام کے منافی ہے؟

جواب اوّل کا خلاصہ: یہ کہ جب ایک دعویٰ کے اثبات میں اکابرکی تحقیق کارفرماہی نہ ہو بلکہ ایک ماہرفن فلکیات کی تحقیق پرمحض ان بزرگوں کی تائید و تصویب کی بناپرعمل عام ہوجائے تو کیااسکوجمہورعلماء کی تحقیق یااسکواکابرکی تحقیق قراردینادرست ہے۔۔۔۔؟درست ہرگزنہیں ہے کیونکہ دعویٰ کرنے والے کی دلیل میں جوعلت ہے(یعنی''حقیقتاً قبولیت عامہ'' جوکہ دلیل ہے اسکی صحت اورراجح ہونے کی) وہ موجودنہیں ہے۔یعنی محض ظاہری طور پرعمومی قبولیت استدلال کے باب میں مفیدنہیں ہے۔اوراگر(15 درجے کی) تحقیق پرشرح صدرہوچکا ہےمگراکابرکااحترام مانع ہےتو مفتی محمدتقی عثمانی مدظلہم کا واقعہ بالا''فتاویٰ عثمانیہ''میں پڑھ کرقدم اٹھائیں۔

﴿دوسراجواب﴾

شرح عقود رسمی المفتی میں علامہ عمرابن العابدین(المعروف بعلامہ شامیؒ) فتویٰ کے اصول وضوابط ذکرکرتے ہوئے تحریرفرماتے ہیں۔کہ جب کسی مسئلہ کے بارے میں اصل حوالہ(یعنی دلیل نہ ملے) تو بغیرتحقیق کے کسی بڑے سے بڑے بزرگ اورمفتی کے قول پربھی فتویٰ دینا جائزنہیں ۔اوروجہ اسکی یہ بتلائی کہ بعض اوقات بلکہ اکثراسی طرح ہوجاتا ہے کہ اوپرسے نقل کرتے کرتے بغیرتحقیق بالکل غلط اورخلاف مذہب فتویٰ چلاآرہا ہوتا ہے۔ لہٰذامذکورہ بالااعتراض کے جواب میں " کہ چونکہ پہلےنقشوں پرجمہورعلماء(یعنی اکثرعلماء) کاعمل ہے۔لھذاان اکابراورعلماءوقت کا یہ عمل پرانے (یعنی 18 درجے والے) نقشے کی صحت اور نئے(یعنی 15 درجے والے) نقشے کے غلط ہونے کی دلیل ہے " علامہ شامیؒ کے ذکرکردہ چندمثالیں نقل کئے جارہے ہیں،آیئے دیکھتے ہیں:

قلت : وقد يتفق نقل قول فی نحو عشرين كتاب من كتب المتأ خرين ، ويكون القول خطأً اخطأ به اول واضع له ، فيأتی من بعده وينقله عنه وهكذا ينقل بعضهم عن بعض . . ..(شرح عقود رسم المفتی ص ۲۸،۲۹)

ترجمہ:میں(علامہ شامیؒ) کہتا ہوں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ متأخرین کی کتابوں میں بیس کتابوں تک ایک بات نقل ہوتی چلی جاتی ہے حالانکہ اس مسئلہ کو پہلے بیان کرنے والے شخص سے غلطی ہوئی ہوتی ہے مگر بعد کے لوگ اس پراعتمادکرکے نقل کرتے رہتے ہے۔

اس کے بعدعلامہ شامیؒ نے متعددمثالیں دی ہیں ہم یہاں صرف چندایک پراکتفا کررہے ہیں۔

﴿1﴾ محض تلاوت قران کے لیے کسی کواجرت پرلینادرست ہے یانہیں؟اس کے بارے میں نقل درنقل بہت سارے متقدمین کی دہراتی ہوئی غلطی کے بارے میں رقمطراز ہیں:

ومن ذالك مسئلة الاستئجار على تلاوت القرآن المجردة فقد وقع لصاحب "السراج الوهاج" و"والجوهرة"، شرح القدوری انه قال : ان المفتی به صحة الاستئجار ، وقد انقلب عليه الامر،فان المفتی به صحة الاستئجار على تعليم القرآن ، لا على تلاوته ـ ثم ان كثيرالمصنفين الذين جآء و ا بعده تابعوه على ذلك ونقلوه ، خطأ صريح ،بل كثير منهم قالوا:ان الفتوىٰ على صحة الاستئجارعلى الطاعات، ويطلقون العبارة:ويقولون : انه مذهب المتأ خرين ، وبعضهم يفرع على ذلك صحة الاستئجار على الحج ، وهذا كله خطأ أصرح من الخطأ الاول (شرح عقود رسم المفتی ص ٢٩)

ترجمہ:اوران مسائل میں ایک مسئلہ محض تلاوت قرآن پاک پراجرت لینا ہے۔قدوری کی شرح **السراج الوھاج** اور **الجوھرۃ النیرۃ** میں ہے کہ:مفتی بہ قول یہ ہے کہ(تلاوت قرآن کیلئے) اُجرت پر(کسی کو) لینادرست ہے۔حالانکہ وہ اُلٹا سمجھ گئے ہے اصل مسئلہ یہ ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ تعلیمِ قرآن کے لیے کسی کو اجرت پر لینادرست ہے،محض تلاوت پراجرت درست نہیں ہے۔ پھر بعد میں جولوگ آئے انہوں نے اس(شارح قدوری،حدادی) کی پیروی کی اورانکی بات نقل کرتے چلے گئے۔حالانکہ وہ صریح غلطی تھی بلکہ بہت سے حضرات نے تو یہ کہہ دیا کہ:فتویٰ اس پر ہے کہ تمام عبادتوں پراُجرت درست ہے اور یہ سب حضرات مسئلہ عموم اوراطلاق کیساتھ تحریر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ متأخرین کا مذہب ہے۔اوربعض لوگ اس پر حج کیلئے بھی اجارہ درست قرار دیتے ہیں(حالانکہ)یہ سب باتیں غلط ہیں اور پہلی غلطی سے بھی زیادہ سنگین ہیں۔

قارئین آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ صاحب السراج الوہاج جوفقہاءاحناف کے زبردست فقیہ گزرے ہیں **ابوبکر بن علی الحداد،الزبیدیؒ المتوفی ۸۰۰ھ ہجری** ہیں۔اورانکے بعد جتنے اکابر چارساڑھے چارسوسال میں گزریں ہیں کسی کواس کا ادراک نہ ہوسکا الٹااسی کواکثر علماءاپنی کتابوں میں بلا تحقیق نقل کرکے ایک شرعی مسئلہ سمجھتے رہیں،یہاں تک کہ علامہ شامیؒ المتوفی ۱۲۵۲ھ نے آکراس حقیقت کی نشاندہی کردی۔

﴿2﴾ ومن ذالك عدم قبول توبة الساب للجناب الرفيعﷺ ، فقد نقل صاحب الفتاوی " البزازيه " انه يجب قتله عندنا ، ولا تقبل توبته ، وعزاذالك الى "الشفاء" للقاضی عياض المالكی، والصارم المسلول لابن تيميه الحنبلی، ثم جاء عامة من بعده ، وتابعه على ذلك وذكروه فی كتبهم ، حتی خاتمة المحققين ابن الهمام ، وصاحب "الدرروالغرر" مع ان الذی فی "الشفاء" و"الصارم المسلول" ان ذلك مذهب الشافعية والحنابلة، واحدی الروايتين على الامام مالكؒ مع الجزم بنقل قبول التوبة عندنا، وهو المنقول فی كتب المذهب المتقدمة، ككتاب"الخراج" لابی يوسف ، وشرح مختصر الامام الطحاوی ،والنتف ، وغيرها من كتب المذهب (شرح عقود رسم المفتی ص ٣٢ تا ٣٤)

ترجمہ: ان میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ سرورعالمﷺ کی شان عالی میں گستاخی کرنے والے کی توبہ مقبول ہے یانہیں؟ فتاوی بزازیہ میں منقول ہے کہ ہماری نزدیک اسکاقتل واجب ہے،توبہ مقبول نہیں ہے،اگرچہ وہ اسلام قبول کرلے۔صاحب بزازیہ نے یہ بات قاضی عیاض مالکی کی الشفاءاورابن تیمیہ حنبلی کی الصارم المسلول کی طرف منسوب کی ہے پھر بعد کے اکثر فقہاء نے اسکی پیروی کی ہے،یہاں تک کہ خاتم المحققین علامہ ابن الہمام اورالدرروالغرر کے مصنف نے بھی یہی بات لکھے۔حالانکہ شفاءاورصارم میں جو بات ہے کہ وہ یہ ہے کہ یہ شوافع اورحنابلہ کا مذہب ہے اورامام مالکؒ کے دوروایتوں میں سے ایک روایت ہے۔اور ہمارامذہب قطعیت کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ اسکی توبہ مقبول ہے۔اوریہی بات قدماءاحناف کی کتابوں مین مذکور ہے جیسے امام یوسفؒ کی کتاب

الخراج امام طحاوی کی مختصر کی شرح اور سعدی کی النتف الحسان وغیرہ فقہ حنفی کی کتابیں۔

(ترجمہ از، آپ فتویٰ کیسے دیں ص ۲۸ سے ماخوذ)

علامہ شامیؒ ایک موقع پر اپنا ایک واقع تحریر فرماتے ہیں:

﴿3﴾ وقد كنت مرة افتيت بمسألة في الوقف موافقاً لما هوالمسطورفي عامة الكتب،وقد اشتبه فيها الامر على الشيخ علاء الدين الحصكفي عمدة المتأخرين فذكرها في " الدرالمختار " على خلاف الصواب۔فوقع جوابي ــ الذي أفتيت به ــ بيد جماعة من مفتي البلاد. كتبو في ظهره بخلاف ما أفتيت به موافقين لما وقع في "الدرالمختار " . وزاد بعض هؤلاء المفتيين : ان هذا الذي عليه العمل لانه عمدة المتأخرين ،وانه ان كان عندكم خلافه لانقبله! فانظر الى هذا الجهل العظيم ،والتهور في الاحكام الشرعية۔والاقدام على الفتيا بدون علم،وبدون مراجعة،وليت هذا القائل راجع حاشية العلامةالشيخ ابراهيم الحلبي على " الدرالمختار" فانها اقرب ما يكون اليه،فقد نبه فيها على ان ما وقع للعلاتي خطأ في التعبير۔۔۔(شرح عقود رسم المفتي ص ۳۸ تا ۳۹)

ترجمہ:

میں (علامہ شامیؒ) نے ایک بار وقف کے ایک مسئلہ میں عام کتابوں کے مطابق فتوی دیا اس مسئلہ میں عمدۃ المتأخرین علامہ حصکفیؒ پر معاملہ مشتبہ ہوگیا ہے۔انہوں نے درمختار میں اس مسئلہ کو خلاف صواب ذکر فرمایا ہے۔میرا وہ فتویٰ ملک کے بعض مفتیوں کے ہاتھ لگ گیا۔انہوں نے اس کی پشت پر میرے فتوے کے خلاف اور درمختار کے مطابق فتویٰ لکھا اور بعض نے تو یہ بھی لکھا کہ ''علائی (درمختار) میں جس طرح مسئلہ ہے وہی معمول بہا ہے، کیونکہ وہ متأخرین معتمد علیہ ہیں'' نیز یہ بھی لکھا کہ ''اور اگر تمھارے پاس اس کے خلاف دلیل ہے تو ہم اس کو قبول نہیں کریں گے'' دیکھا آپ نے جہل عظیم! اور احکام شرعیہ میں تہور و دلیری! اور کتابوں کی طرف مراجعت کیے بغیر اور علم کے بغیر فتویٰ نویسی پر اقدام! کاش ان صاحبوں نے علامہ ابراہیم حلبیؒ کا درمختار کا حاشیہ ہی دیکھ لیا ہوتا کیونکہ وہ بآسانی دستیاب ہوسکتا تھا۔حلبی نے اس موقعہ پر تنبیہ کی ہے کہ علائی نے جو کچھ لکھا ہے وہ مسئلہ کی صحیح تعبیر نہیں ہے۔۔۔۔

----------(ترجمہ از، آپ فتویٰ کیسے دیں ص ۳۱)

علامہ شامیؒ نے افتاء اور تحقیق کے طلباء کیلئے ایک مستقل اصول کے طور پر اس کو ذکر کرکے یہ سبق دلا دی کہ جب تحقیق کی بات آتی ہے تو اس میں بڑے سے بڑے آدمی کی بات کو بھی اصل مآخذ کے ساتھ پرکھنا پڑیگا۔اعتراض کرنے والوں کو ان مثالوں پر خوب غور کرکے اکابر کے نقش قدم پر نظر رکھتے ہوئے اس حقیقت کی تہہ تک پہنچنا چاہئے کہ کسی مسئلہ کا محض عمومیت کیساتھ منقول ہونا اس کی صحت کی دلیل نہیں ہوا کرتی۔علامہ شامیؒ کیساتھ بھی اس قسم کے حالات پیش آئے تھے جن سے ابھی ہم دوچار ہیں۔اور یہی عمومیت جیسے بے بنیاد دلیل کے زریعے وہاں بھی حقیقت کو ٹکرائی جارہی تھی، جیسا کہ آخری مثال سے بالکل واضح ہے۔

یہاں آکر اعتراض پر غور کرنا ضروری ہے کہ اگر ایسے مسائل جو خالص شرعی ہونے کیساتھ ساتھ اس میں اصل مسلک بلا ابہام منقول بھی ہے، مگر اس کے باوجود عمومی نقل اصولی طور قابل اعتماد نہیں ہوسکتا۔تو کیا کہنا آج کے نقشہ اوقات کے بارے میں جو خالصتاً سائنسدانوں اور ماہرین فن کی مرہون منت ہے جس پر کسی ماہر عالم دین کی ذاتی تحقیق بھی شامل نہ ہو تو ہمارے فضلاء کا اس پر نص قرآنی سے بھی زیادہ اعتماد کرنا اور کسی قسم کی تحقیق کو مطلقاً رد کرنا کیا اصول تحقیق کا جنازہ نکالنا نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا مذکورہ بالا دو مثالوں (ایک مفتی عثمانی صاحب کی دوسری علامہ شامیؒ کی مثالوں) کو سامنے رکھ کر وہ حضرات جو درس نظامی کے فارغ التحصیل ہونے کیساتھ ساتھ دارالافتاء کے فارغ التحصیل ہونے پر فخر کرتے ہیں، کیا سبق لیں گے؟

اللہ سب کو علم دین مبارک کردے ہمارا مقصد کسی کی تنقیص کرنا قطعاً نہیں ہے مگر سوال یہ کہ ان مناصب کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں یا محض نام ہیں جن پر ہم اپنے آپ کو دوسروں پر بالا سمجھتے ہیں؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علماء اسلام کو اللہ کے عطا کردہ دولت علم پر شرعی فخر کا حق حاصل ہے مگر اس حق کیا تھ اس سے زیادہ ان پر شرعی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کو پہچان کر نبھانا ضروری ہے۔ معاف فرمائیے گا کیا اعتراض کرنے والے حضرات سے، علامہ شامیؒ کے حالات کو سامنے رکھ کر، ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ نقشہ جیسے سائنسدانوں کے بنائے ہوئے چارٹ کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کرنا اکابر کے نقش قدم پر چلنا ہوا یا انکی مخالفت؟

﴿ کیا واقعی 18 درجے والے نقشے کو قبولیت عامہ حاصل ہے؟ ﴾

قارئین حضرات اگر بحث کی طوالت کی وجہ سے اصل بات بھول گئے ہوں تو چلو دوبارہ یاد کرا دیتا ہوں۔ وہ یہ اعتراض تھا کہ تحقیق 18 درجے کو جمہور علماء کی تائید حاصل ہے۔ کیونکہ اکثریت کا عمل اس بات کی علامت ہے کہ 18 درجہ کی تحقیق بنسبت 15 درجے کی درست ہے۔ ہم نے بحثِ مذکورہ میں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ اکثر علماء کا ایک مسئلہ پر اتفاق کسی مسئلہ کی صحت کی دلیل بن سکتی ہے مگر وہ اس صورت میں ہے کہ ان حضرات کا عمل تحقیق کی بنیاد پر ہو محض سنی سنائی یا ویسے کسی بزرگ وغیرہ پر حسن ظن یا عقیدت کی بنیاد پر نہ ہو۔ مگر یہاں مذکورہ بالا جواب کے علاوہ ہماری طرف سے بھی ایک سوال سماعت فرمالیجئے۔ وہ یہ کہ کیا واقعی ایسا ہی ہے کہ اس پرانے نقشہ کو حقیقت میں قبولیت عامہ (تحقیق پر مبنی نہیں بظاہر ہی سہی) حاصل بھی ہے یا نہیں۔۔۔؟

ان حضرات کی طرف سے تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ ہاں اسکو واقعی قبول عامہ حاصل ہے۔ مگر ہماری تسلی کیلئے یہ جواب ناکافی ہے۔ البتہ ہماری طرف سے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سرے سے یہ بات ہی غلط ہے کہ اسکو قبولیت عامہ حاصل ہے۔ کیونکہ ظاہری طور پر کسی مسجد میں پرانے نقشے کا آویزاں ہونا اس بات کی دلیل ہی نہیں کہ اس پر عمل بھی اسی طرح ہو رہا ہو، اسکی کئی وجوہات ہیں:۔

﴿1﴾ نقشے کی بجائے مشاہدے پر اعتماد

اکثر علماء خصوصاً فجر اور عشاء میں مشاہدہ کا اعتبار کرتے ہیں اور نقشے کے اوقات کا انکو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ ان لوگوں میں پرانے اور بزرگ حضرات شامل ہیں۔ گاؤں اور دیہاتوں میں اکثریت ایسے حضرات کی ہیں کہ وہ نقشوں کو کوئی اسلامی چیز، خصوصاً اوقات نماز میں، سمجھتے ہی نہیں۔ ہمارے گاؤں (صوابی) میں تقریباً 80 مساجد ہیں، میں نے ایک مسجد بھی ایسی نہیں دیکھی جس میں عشاء کی اذان نقشے کے مطابق دی جاتی ہو باوجود یہ کہ مساجد میں پرانے نقشے آویزاں ہیں۔ اور یہی معاملہ آس پاس کے گاؤں کا بھی مشاہدہ کیا گیا ہے۔

﴿2﴾ فنی باریکیوں سے عدم واقفیت

بعض حضرات مشاہدہ کر کے علی الاعلان پرانے نقشے کی مخالفت تو کرتے رہتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ وہ نقشہ ہی تبدیل کر کے نیا بنا دیں۔ کیونکہ ان کا اختلاف 18 اور 15 کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ پرانے نقشے کا محض مشاہدے کا عدم موافقت ہوتا ہے۔ چند بزرگوں کے واقعات عرض کر رہا ہوں:

(۱) ہمارے علاقے کے ایک معمر عالم (حضرت مولانا قاضی اشرف خان صاحبؒ) ہوا کرتے تھے جو علاقہ میں بطور قاضی دین کی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اور طالب علمی کے زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھے ہوئے تھے۔ لیکن پرانے نقشے کی مخالفت علی الاعلان کیا کرتے تھے۔ میرے ایک استاد حضرت مولانا قاری مستمر خان صاحب (فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ) قاضی صاحب مرحوم کے خصوصی شاگردوں میں سے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں اور استاد محترم (قاضیؒ صاحب) ساتھ بیٹھ کر سحری کھا رہے تھے کہ اتنے میں پرانے نقشے کے مطابق اذانیں شروع ہوگئی تو قاضی صاحب نے فرمایا کھانا کھاتے جاؤ اس کے بعد بھی 20 منٹ تک سحری کھائی جاسکتی ہے۔

(۲) ہمارے ایک رشتہ دار حضرت مولانا فضل وہاب صاحب مدظلہم جو سلسلہ قادریہ میں خلافت حاصل کر چکے ہیں، تقویٰ اور

احتیاط میں پورے علاقہ میں معروف ومشہور ہیں۔راقم فقیر بذات خود کئی دفعہ (اصلاحی تعلق کی بنیاد پر) حضرت صاحب کیساتھ باوجود دوسرے محلے کے اعتکاف میں شریک ہوتا رہا۔سحری اور صبح صادق کے تعین کا دارومدار انکے نزدیک مشاہدے پر تھا۔کیونکہ حضرت گاؤں کی مغربی جانب دُور کھیتی باڑی کرتے ہوئے آب پاشی کیلئے اکثر اوقات رات کے وقت جایا کرتے تھے۔اسلئے ان کو مشاہدہ کا موقع نہایت آسانی کیساتھ میسر آتا تھا۔لہٰذا اکثر اوقات ایسا ہوا کہ پرانے نقشے کی بنیاد پر اردگرد مساجد میں صبح کی اذانیں ہورہی تھی اور ادھر اعتکاف والے ابھی سحری کھا رہے ہوتے تھے۔فقیر کے ایک سوال پر جواباً فرمایا کہ ہم نے کئی دفعہ صبح صادق کا مشاہدہ کافی تاخیر سے طلوع ہوتے ہوئے کیا ہے۔

(۳) صوابی شہر کے مرکزی جامع مسجد صوابی اڈہ کے پیش امام اور خطیب مولانا گل رحیم صاحب مدظلہم (جن کے میراث اور طلاق وغیرہ کے فتوے سرکاری عدالتی فیصلوں میں پیش کئے جاتے ہیں) علی الاعلان (پرانے) نقشوں کی مخالفت کرتے ہیں اور اس مخالفت میں اتنے متشدد ہوگئے تھے کہ ایک ملاقات پر انہوں نے اوقات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ''کہ بھئی میں تو نقشہ نہ پرانا مانتا ہوں اور نہ نیا۔نیا نقشہ تو میں نے خیر دیکھا نہیں کہ اس کے اوقات کیا ہیں،مگر پرانا نقشہ جو عام مساجد میں مستعمل ہے فجر اور عشاء کے اوقات کے حوالے سے بالکل غلط ہے'' حال یہ کہ مولانا صاحب کی مسجد میں پرانا نقشہ لگا ہوا تھا۔

ان حوالوں کو نقل کرنے کا منشاء یہ ہے کہ دیکھو پرانے نقشے کیساتھ ان علماء کرام کے اختلاف کے باوجود، چونکہ کسی تحریری طور پر مخالفت منظر عام پر آئی نہیں تھی،لوگ یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ پرانے نقشے کو '' قبولیت عامہ'' حاصل ہے۔چونکہ یہ حضرات سیدھے سادھے کتاب کے مطابق مشاہدہ کے عادی تھے۔اور ریاضیاتی حسابات وغیرہ کا انکو علم تھا نہیں،جس کے زریعے کسی دوسرے (نئے) نقشے کیلئے بندوبست کرتے۔اسی طرح نہ انکو 18۔15 درجے کے اختلاف کا کوئی پتہ تھا۔معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر پرانے نقشے کی عمومیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر علماء اس کی غلطی سمجھ گئے تھے مگر انکو اس نقشے کی فنی باریکیوں یا اس میں فنی اختلاف کا پتہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس غلطی کو علمی بنیادوں پر ظاہر نہیں کرسکتے تھے۔

﴿3﴾ باقاعدہ نقشہ تیار کرنے کی بجائے محض علمی اختلاف کو کافی سمجھنا

تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات کسی محقق عالم کا ذاتی تجربہ اور رائے بھی مخالف ہوتا ہے اور باقاعدہ علم ہئیت سے بھی واقف ہوکر 18-15 درجے کی فنی باریکیوں کو سمجھتا ہے۔اور فتویٰ بھی 15 درجے کی تائید اور اثبات میں دیتا ہے۔(اب ظاہر ہے کہ ایسے علماء کرام کا اپنا عمل بھی 18 درجے کے مخالف ہو کر 15 درجے والے نقشے کے مطابق ہوگا) لیکن ان سب حقائق کے باوجود دیکھنے میں یہ آیا ہے۔کہ ایسے اہل علم حضرات کی طرف سے بھی ان حقائق پر مبنی کوئی نیا نقشہ شایع نہیں ہوا لہٰذا نئے نقشے کے عدم اشاعت سے لوگوں کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ پرانے کو ''قبولیت عامہ'' نصیب ہوا ہے۔ہم یہاں پر مشہور زمانہ مفتی اعظم فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتھم (سابق مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) کے فتاویٰ فریدیہ ج ۲/ سے چند فتوے نقل کررہے ہیں:(۱) ص ۱۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

'' محکمہ موسمیات اور درجات کو بالائے طاق رکھیں ان کا اندازہ یہاں بھی مشاہدہ کے خلاف ہے'' (ص ۱۵۱)

(۲) ص ۱۵۳ پر لکھتے ہیں: ''ریاضی کے اصول پر یہ وقت پندرہ درجہ یعنی ۱۵*۴=۶۰ منٹ ہے مگر غروب شمس کے بعد مکرر مشاہدہ سے سوا گھنٹہ ثابت ہے اور صبح صادق کا وقت بھی اسی مقدار سے زائد نہیں ہے ہمارے علاقہ میں صبح صادق ذوالقعدہ (۱۴۰۲ھ) کے اوائل میں میں چار بج کر پچیس منٹ بعد نکلتی ہے۔''

ہجری کیلینڈر کو شمسی میں تبدیل کرتے ہوئے جب ہم نے مذکورہ بالا تاریخ کا موازنہ کیا تو 20 اگست 1982ء کو یکم ذوالقعدہ

۱۴۰۲ھ کی تاریخ بنتی ہے، ہم نے دیکھا تو الحمدللہ پچیس سال پہلے دیا ہوا فتویٰ آج ہمارے نقشے کی تائید کررہا ہے قارئین (ضلع صوابی کیلئے) ہمارے مرتب کردہ نقشے میں دیکھ سکتے ہیں کہ 23 اگست کو صبح صادق کا وہی وقت درج ہے جو حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے بار بار مشاہدہ کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

''ہمارے علاقہ میں صبح صادق ذوالقعدہ (۱۴۰۲ھ) کے اوائل میں (بمطابق 23 اگست کو) چار بج کر پچیس منٹ بعد نکلتی ہے۔''

(۳) اور ص ۱۵۴ پر لکھتے ہیں: ''اصولی طور پر مفتی رشید احمد صاحب کا اندازہ درست ہے البتہ ہمارے بلاد میں میں مشاہدہ کی بنا پر سوا گھنٹہ وقت بنتا ہے'' (۵/جولائی ۱۹۸۶ء)

اس میں تو مفتی صاحب نے بالکل صراحت کیساتھ مفتی رشید احمد صاحب کی تائید فرمادی۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم کے نائب مفتی مولانا مفتی محمد وہاب صاحب منگلوری جو فتاویٰ فریدیہ کے مرتب بھی ہیں، نے راقم کو ٹیلفون پر بتایا کہ آپکی طرف سے شائع کردہ دائمی نقشہ اوقات کا نیا نقشہ ہمارے پاس پہنچ گیا ہے۔ میں نے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم کی مختلف کتب کی طرف مراجعت کے علاوہ ان سے بالمشافہ استفسار بھی کیا لہٰذا ہماری رائے آپکے ساتھ سو فیصد متفق ہے۔ مگر چند فنی باتیں ہیں جن کی وضاحت کیلئے آپ کے ساتھ بالمشافہ ملاقات ضروری ہے۔ مگر ہماری گوناگو مصروفیات اس میں مانع ہیں لہٰذا اگر آپ ہمارے ہاں مدرسہ میں آجائیں تو مہربانی ہوگی۔ فقیر ایک حکم پر خدمت میں حاضر ہوا۔ الحمدللہ ملاقات میں فنی امور کی وضاحت ہوگئی۔ بعدازاں انہوں نے اپنے جامعہ کی جانب سے 15 درجے کے مطابق نیا نقشہ مرتب کرکے اسکی ایک کاپی راقم کے پاس بھی ارسال کردی۔ اور مزے کی بات یہ کہ نقشے کے اوپر 18 اور 15 درجے کے بارے میں استفتاء تحریر کرتے ہوئے جواب میں نئے نقشے (یعنی 15 درجے کے نقشے) کے حق میں فتویٰ درج کردیا اور اس پر باقاعدہ حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتھم نے اپنے ہاتھوں سے ''الجواب صحیح'' بھی تحریر فرمایا۔

اب آپ نے دیکھا کہ فتویٰ مذکورہ کے باوجود جو فتاویٰ فریدیہ میں 25 سال پہلے شایع ہوا ہے، محض نئے نقشے کے عدم اشاعت کی وجہ سے سارے لوگ یہی سمجھ بیٹھے ہوئے تھے کہ پرانے نقشے کو ''قبولیت عامہ'' حاصل ہے۔ پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ خود اسی دارالافتاء کے مدرسہ میں آج تک پرانا نقشہ آویزاں تھا، تو بات، عرض کرنے کی، یہ تھی کہ محض نئے نقشے کے عدم اشاعت سے لوگوں نے سمجھا ہوا ہے کہ پرانے نقشے کو قبول عام حاصل ہے۔

﴿علماء عرب کی تحقیقات وآراء﴾

ذیل میں عرب شیوخ کی آراء اور تحقیقات پیش کئے جارہے ہیں، حتی کہ ''صبح صادق'' ہی کے قضیئے کو حل کرنے کیلئے اسی موضوع پر مستقل کانفرنس اور فقہی مجالس منعقد کی گئیں، جن کے تحت رؤیت اور مشاہدات کیلئے عرب کے صحراؤں میں مختلف کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ مجلس نے اپنا یہ سلسلہ پورے سال پر مشتمل رکھا، جس کے نتائج کو اکھٹا کرکے خلاصہ یہ نکل آیا کہ پرانے نقشے (تقاویم) جن میں ''تقویم ام القری'' بھی شامل ہے، اصل شرعی صبح صادق سے 15 منٹ سے لیکر 25,23 منٹ تاخیر سے طلوع ہوتی ہے۔ جس کا فنی اعتبار سے زیرافق درجات 14.6 تا 15 ہیں یعنی سورج کے 15 درجے زیرافق کے بعد صبح صادق طلوع ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ ذیل میں عرب محققین ومشائخ کی تحقیقی آراء اور اسی موضوع پر منعقد ایک ''فقہی مجلس'' کی مختصر روئیداد نقل کررہے ہیں:

﴿1﴾ الشیخ د. سعد بن ترکی الخثلان:

الشیخ الخثلان سے ''مکۃ مکرمہ'' میں رائج اوقات نماز کے نقشے کے بارے میں استفتاء کیا گیا ہے۔ جس کے جواب میں شیخ خثلان نے جوابی طور پر ایک مفصل فتویٰ بعنوان '' خطأ اکثر التقاویم لوقت صلاۃ الفجر '' لکھا ہے، جس سے قارئین کے استفادہ کیلئے ضروری ضروری اقتباسات نقل کئے جارہے ہیں:

" معظم التقاويم فی العالم الاسلامی و منها تقويم ام القری يو جد لديها اشكالية فی تحديد دخول وقت صلا ة الفجر اذ، انها تعتبر الشفق الفلكی بداية لوقت الفجر،والشفق الفلكی هو الفجر الكاذب الذی حذر النبی ﷺ من الاغترار به كما جاء عند مسلم عن سمرة بن جندبؓ ان رسول الله ﷺ قال : لا يغرنكم الخ .....وهذا الشفق الفلكی يكون علی درجة 18وقد وضع عليه تقويم رابطة العالم الاسلامی وتقويم العجيری،اما تقويم ام القری فقد وضع علی درجة 19ای مع تقديم اربع الی خمس دقائق ، وقد وجدت دراسات فلكية حديثة لتحديد الدرجة الصحيحة لبداية الفجر الصادق،والذی استقرت عليه الدراسات انه ما بين 14.5 الی 15 ای ان الفارق بينها وبين تقويم ام القری مابين 15الی 23 دقيقة بحسب فصول السنة ۔

ترجمہ :عالم اسلامی میں بہت سارے تقاویم (نقشے) جن میں ایک ''تقویم ام القری'' بھی ہے،ان میں درج نماز فجر کے وقت پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس میں ''شفق فلکی'' کو وقت فجر قرار دیا گیا ہے۔جبکہ ''شفق فلکی'' حقیقت میں صبح کاذب ہی ہے جس سے دھوکہ کھانے سے نبی کریم ﷺ نے حدیث میں منع فرمایا ہے۔قال : لا يغرنكم الخ ۔۔۔۔اور یہ ''شفق فلکی'' جو کہ 18 درجے پر ظاہر ہوتی ہے،اور اسی پر رابطة العالم الاسلامی اور العجیری نے اوقات نماز کے نقشے مرتب کئے ہیں۔اور یہ جو ''ام القری'' (مکہ مکرّمہ) کا نقشہ ہے،تو اس کو 4،5 منٹ کا احتیاط جرتے ہوئے 19 درجے کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔اور میں نے صبح صادق کے صحیح وقت کی تعیین کے حوالے سے جدید علمی اور فنی ابحاث پڑھی ہیں۔صحیح اندازہ جس پر تحقیقاتی مجالس نے اتفاق کیا ہے وہ ہے: 14.5 اور 15 درجے کے درمیان۔یعنی (صبح صادق کے) صحیح وقت اور ''ام القری'' کے نقشوں میں مندرج اوقات کے درمیان،سال کے مختلف موسموں کے اعتبار سے، 15 منٹ سے لیکر 23 منٹ ہے۔

﴿2﴾ الشيخ ڈاکٹرمحمد تقی الدين بن عبد القادر الهلالی :(پروفیسر اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ،سعودی عربیہ)

اپنی تحقیقی روئداد کو ذکر کرتے ہوئے اوقات نماز کا پورا پس منظر تحریر فرماتے ہیں:

قضيت شبابی و كهولتی وبعض شيوختی فی الشرق ولما رجعت الی المغرب بسبب الفتنة التی صارت فی العراق سنة (1379ه) اكتشفت بما لا مزيد عليه من البحث والتحقيق والمشاهده المتكررة من صحاح البصر وانا معه لانی كنت فی ذلك الوقت ابصر الفجر بدون التباس ان التوقيت المغربی لاذان الصبح لا يتفق مع التوقيت الشرعی ، وذلك ان الموذن يوذن قبل تبين الفجر تبينا شرعيا ، فاذانه فی ذلك الوقت لا يحل صلاة الصبح ولا يحرم طعاما علی الصائم، وصرت افتی بذلك واعمل به الی يومنا هذا ـــــ

(الفجر الصادق وامتيازه عن الفجر الاكاذب ص ١)

ترجمہ : میں نے اپنی جوانی اور بڑھاپے کا بعض حصہ شرق میں گزار کر جب 1379ھ میں عراق کے حالات خراب ہونے کی وجہ سے مغرب آیا تو مجھے نہایت بحث وتحقیق اور میری موجودگی میں صحیح البصر لوگوں کے بار بار مشاہدات کے بعد یہ حقیقت یقین کے ساتھ واضح ہوگئی کہ صبح کی اذان کا وقت ''شرعی وقت'' کے مطابق نہیں ہے۔اور مؤذنین شرعی طور پر صبح صادق ظاہر ہونے سے پہلے اذان دینے لگ جاتے ہیں،لہٰذا اسی وقت میں مؤذن کی اذان سے نہ صبح کی نماز جائز ہوسکتی اور نہ روزہ رکھنے والے کیلئے (سحری کے طور پر) کھانا جائز ہوسکتا ہے۔پس میں نے اسی وقت سے اسی پر فتوی دیکر اس

کے مطابق عمل شروع کیا جو آج تک اسی طرح جاری ہے۔

توقیت صلاۃ الصبح (للشیخ عبد المحسن العبیکان من شیوخ مکہ مکرمہ)

یہ مقالہ ریاض سے شائع ہونے والے جریدے " **جریدۃ الریاض** " میں شائع کیا گیا ہے۔اس میں فجر کو لغوی، کتاب السنّت کے حوالے واضح کرتے ہوئے مندرجہ ذیل عنوان قائم کیا گیا ہے: " آراء العلماء فی توقیت التقاویم والاذان الثانی قبل صلاۃ الفجر "

اس عنوان کے تحت شیخ العبیکان نے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ، علامہ حافظ ابن حجرؒ اور شیخ القرافی کے اقوال اس حوالے سے ذکر کئے ہیں، کہ صبح صادق سے پہلے اذان دینا ایک بہت برا فعل اور نہایت قبیح عادت ہے جو اس زمانے میں عام ہوگئی ہے۔اور مؤذنین اس پر مرتب ہونے والے نقصانات کے ذمہ دار ہیں۔لہٰذا اذان دیتے وقت نہایت احتیاط کرتے ہوئے یہ یقین کرنا چاہئے کہ وقت داخل ہو چکا ہے۔اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

ونظیر ذالك ما یحصل الان فی الوقت الحاضر ،فان معظم التقاویم تدخل وقت صلاۃ الفجر قبل الوقت الشرعی ،ومنها تقویم ام القری :(توقیت الصلوٰۃ الصبح للعبیکان ص۴۰۳)

ترجمہ: موجودہ دور میں اس (یعنی وقت سے پہلے اذان دینے) کی مثال یہ ہے کہ (فن فلکیات پر اعتبار کرکے) بہت سارے نقشے ایسے ہیں جن میں نماز فجر کا وقت شرعی وقت سے پہلے داخل ہوجاتا ہے، جن میں سے ایک '' مکہ مکرمہ سے شائع ہونے والا نقشہ اوقات'' بھی ہے۔۔۔۔اس کے بعد ''تقویم ام القری'' کی تردید میں مندرجہ ذیل محققین کے آراء وتحقیقات نقل کئے ہیں:

﴿3﴾ قال الشیخ محمد رشیدرضاء :

و من مبالغة الخلف فی تحدید الظواهر طمع التفریط فی اصلاح الباطن من البر والتقوی،انهم حددوا اول الفجر وضبطوه بالدقائق وزادوا علیه فی الصیام امساك عشرین دقیقة قبله للاحتیاط ،والواقع ان تبین بیاض النهار لا یظهر للناس الا بعده بعشرین دقیقة تقریباً تفسیر المنار:184/2۔ (توقیت الصلوٰۃ الصبح للعبیکان ص۴۰۳)

ترجمہ :۔ ظاہر کی تحدید اور اصلاح باطن یعنی نیکی اور تقوی میں تفریط کرنے والے خلف کے مبالغہ میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے پہلی صبح کی تحدید کرکے اس کو منٹوں کے حساب سے درج کردیا اور پھر رمضان میں احتیاط کے طور پر اس سے پہلے 20 منٹ بڑھا دئے، حالانکہ عام طور پر دن کی روشنی (یعنی صبح صادق) اس وقت سے تقریباً 20 منٹ بعد ظاہر ہوتی ہے، تفسیر منار 184/2

﴿4﴾ قال تقی الدین الهلالی :

اکتشف بما لامزید علیه من البحث و التحقیق ،والمشاهد المتکررۃ من صحیح البصر وانا معه۔ لانی کنت فی ذالك الوقت ابصر الفجر بدون التباس۔ان التوقیت لاذان الصبح لایتفق مع التوقیت الشرعی ،وذالك ان المؤذن یؤذن قبل تبین الفجر تبیانا شرعیا ، بیان الفجرالصادق وامتیازه ص۲ ۔(توقیت الصلوٰۃ الصبح للعبیکان ص٤)

ترجمہ : ۔بحث وتحقیق، اور میری موجودگی میں، کہ میں بغیر التباس کے مکمل یقین کیساتھ صبح صادق دیکھ رہا تھا، صحیح البصر لوگوں کے بار بار مشاہدات کے بعد یہ حقیقت واضح ہوگئی، کہ صبح کی اذان کا وقت شرعی طور پر ظاہر ہونے والی صبح صادق کیساتھ قطعاً مطابقت نہیں رکھتا۔اور یہ کہ مؤذن شرعی طور پر ظاہر ہونے والی صبح صادق سے پہلے اذان دیتا ہے۔

﴿5﴾ وقال الشیخ محمد بن عثیمینؒ :

وبعض الاخوان خرجوا الی البر فوجدوا ان الفرق بین التوقیت الذی بایدی الناس وبین طلوع الفجر نحو ثلث ساعة ،فالمسئلة خطیرۃ جدا، ولهذا لا ینبغی لانسان فی صلاۃ الفجر ان یبادر فی اقامة الصلاۃ،والیتأ خر نحو

ثلث ساعة او ۲۵ دقیقة حتی یتیقن ان الفجر قد حضر وقته: شرح ریاض الصالحین، ۲۱٦/۳ (العبیکان ص ٤)

ترجمہ: ۔اور بعض احباب باہر میدان میں نکل کر یہ حقیقت معلوم کر گئے کہ عام طور پر لوگوں کے پاس جو اوقات نماز کے نقشے ہیں ،ان میں اور صحیح طلوع فجر کے درمیان ثلث الساعۃ (گھنٹے کا تیسرا حصہ یعنی 20 منٹ) فرق پایا جاتا ہے۔

﴾6﴿ وقال الشیخ الالبانی ؒ :

وقد رأیت ذالك بنفسی مرارا من داری فی جبل هملان ۔جنوب شرق عمان ۔، وو مکننی ذالك من التاکد من صحة ماذکره بعض الغیورین علی تصحیح عبادة المسلمین ان اذان الفجر فی بعض البلاد العربیة یرفع قبل الفجر الصادق بزمن یتراوح بین العشرین والثلاثین دقیقة،... وما ذالك الا بسبب اعتمادهم علی التوقیت الفلکی واعراضهم عن التوقیت الشرعی ۔ (توقیت الصلوٰة الصبح للعبیکان ص ٥)

ترجمہ: اور میں نے جبل ہملان (جنوب شرق عمان) میں اپنے گھر سے خود اس (صبح صادق) کو کئی دفعہ دیکھا ہے۔اس سے مجھے اس بات کی صحت کی تاکید ہوگئی ۔جس کو مجھے بعض غیور احباب نے مسلمانوں کی عبادت (صلوٰۃ الفجر) کی تصحیح کے طور پر کہا کہ عرب کے بعض بلاد میں صبح کی اذان صبح صادق سے تقریباً 20 زور 30 منٹ کے درمیان، پہلے دی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے فن فلکیات کے نقشوں پر اتنا اعتماد کیا کہ اصلی اور شرعی صبح صادق سے اعراض کر گئے۔

﴾7﴿ وقال الشیخ مصطفی العدوی :

فی بعض البلاد العربیة ،بل فی کثیر منها یؤذن للفجر قبل تبین الفجر الثانی و هو الفجر الصادق...، وقد راقبت ذالك فی قریتی بمصر فاذا بهٰذا الخیط الابیض (الفجر الصادق) یظهر بعد الاذان المثبت بالتقاویم بمدة تدور حول الثلث ساعة یواقیت الفلاة فی مواقیت الصلاة ص127 (توقیت الصلوٰة الصبح للعبیکان ص ٥)

ترجمہ:۔عرب کے بعض بلاد میں بلکہ اکثر مقامات میں فجر ثانی یعنی صبح صادق سے پہلے اذانیں دی جاتی ہیں۔۔۔۔۔اور میں نے مملکتِ مصر میں اپنے گاؤں میں دیکھا ہے کہ خط ابیض (یعنی صبح صادق) پرانے نقشوں میں دئے گئے وقت پر اذان دینے سے تقریباً ثلث ساعۃ (گھنٹے کا تیسرا حصہ یعنی 20 منٹ) بعد میں طلوع ہوتی ہے۔

﴾8﴿ ایک علمی اور فقہی کانفرنس:

'' صبح صادق '' کے ظہور کا صحیح وقت کیا ہے؟اس حوالے سے مملکت سعودیہ میں ملک عبد العزیز (مفتی اعظم) کی اجازت سے '' صبح صادق ''پر تحقیق کے حوالے سے ایک فقہی کانفرنس منعقد کیا گیا تھا جس کا:

چیئرمین آف کانفرنس :

☆ الشیخ ڈاکٹر، زکی بن عبد الرحمن المصطفی

شرکاء کانفرنس :

١۔ ایمن بن سعید کردی .... (ماہر علم الفلکیات،المساعد)

٢۔ عبد العزیز بن سلطان المرمش .... (ماہر فلکیات، اکیڈمی آف فن فلکیات اور جیوفزکس)

٣۔ معتز بن نائل کردی .... (ماہر فلکیات اکیڈمی آف فن فلکیات اور جیوفزکس)

٤۔ الشیخ د۔سعد بن ترکی الخثلان .... (قائم مقام رئیس ادارۃ التحقیق والافتاء)

٥۔ الشيخ محمد بن سعد الخرجي .....(رئیس کتابۃ عدل الاولی بالریاض،ممثل وذارۃ العدل)

٦ ۔ الشيخ عبد الرحمن بن غنام الغنام ..... (وکیل وزارت معاون لامورالدعوۃ والارشاد،ونائب وزارت مذہبی امور)

٧۔ صالح بن عثمان ..... (متعاون)

اسی مجلس کے بارے میں الشیخ عدنان العرعور تحریر فرماتے ہیں: وقد شارك فی هذا البحث افاضل من علماء الدين و الفلك

اس فقہی مجلس میں علماء دین اور ماہرین فلکیات نے شرکت فرمائی۔ (مسئلة تقديم وقت اذان الفجر،وتاخير توقيت العشاء، ص 7)

اس فقہی کانفرنس کا ریسرچ طریقہ کار اس طرح وضع کیا گیا تھا کہ'' ریاض '' شہر سے باہر کھلے صحراء میں میلوں کے فاصلے پر روشنیوں کے اثرات سے دور مشاہدات کیلئے کمیٹیاں تشکیل دی جنہوں نے پورے سال ہر مہینے کے چند دن مشاہدات کردئے جس کا خلاصہ اور نتائج مندرجہ ذیل الفاظ میں تحریر کررہے ہیں:

ثـم ذكـروا الـخـلاصة ، فـقـالوا : من خلال الرصد الميدانی لمدة عام كامل لتحديد بداية الفجرالصادق (الشفق الشـرعـی)فـی مـنـطـقة الـرصـد تبيـن انـه يـنـضبـط بـاسـتـخدام المعيار الفلكی عندما تكون الشفق تحت الافق بمقدار 14.6 درجة قـوسية وانـحراف معيارى بمقدار 0,3 درجة قـوسية ـقـلت : يعنى قرابة 21 دقيقة عن تـقـويـم ام القرى،تزيدقليلاً او ينقص۔وقد اكدت اللجنة انها لم تجد اساسا مكتوباً لتقويم ام القرى،بعد البحث والاستسقاء۔ (توقيت الصلوٰة الصبح للعبيكان ص8)

ترجمہ:۔ پھرانہوں نے خلاصہ یوں بیان کیا :صبح صادق یعنی شفق شرعی کے ظہور کے اندازے کیلئے پورا سال میدانی مشاہدات کے دوران یہ واضح ہوگیا کہ فن فلکیات کی رو سے صبح صادق اس وقت طلوع ہوتی ہے جبکہ سورج،افق سے 14,6 درجے نیچے ہو جبکہ انحراف معیاری 0,3 درجے ہو۔میں (شیخ العبیکان) کہتا ہوں،اس کا مطلب یہ ہے کہ (صبح صادق) تقریباً 21 منٹ کم وبیش ام قری کی تقویم کے وقت کے بعد طلوع ہوتی ہے۔اور کانفرنس نے یہ کافی بحث وتمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ''تقویم ام القریٰ'' کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے۔

'' مسئلة تقديم وقت اذان الفجر،وتأخير توقيت العشاء '' ﴿ للشيخ عدنان العرعور ﴾

شیخ عدنان العرعور نے صلوٰۃ الفجر کے صحیح وقت ''صبح صادق'' کے حوالے سے کافی تحقیق کے بعد ایک تحریر بنام'' مسئلۃ تقدیم وقت اذان الفجر،وتأ خیر توقیت العشاء '' لکھا ہے۔جس سے ضروری اقتباسات یہاں نقل کئے جاتے ہیں: شیخ تحریر فرماتے ہیں:

لـقـد تتبـعـت هـذه المسألة منذ اكثر من خمس وعشرين سنة وتبيّن لی.... ----التقاويم وضعت على وقت الفجرالكاذب (مسئلة تقديم وقتاذان الفجر... ص ١)

ترجمہ:میں اس مسئلے میں 25 سال سے غور وفکر کررہا ہوں حتی کہ مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ۔۔۔۔۔اوقات نماز کے نقشے صبح کاذب کی بنیاد پر مرتب کئے گئے ہیں۔

آگے پرانے نقشوں کے مرتبین کے بارے میں لکھتے ہیں:

والمشكلة نشأت من ان معظم الفلكيين والخبراء الجغرافيين والعسكريين لايفرقون بين الفجرين ،لان هذا لا يهمهم ،ولانهم يرون ان اول ضوء هو الفجر عندهم ،فذالك وضعو ا التقاويم بناء على ذالك

----------(مسئلة تقديم وقت اذان الفجر... ص ٣)

ترجمہ:۔ورمشکل یہ ہے کہ اکثر ماہرین فلکیات ،جغرافیہ اور عسکریین فجرین (صبح صادق اور صبح کاذب) میں فرق نہیں

کر سکتے، کیونکہ یہ لوگ اس کا اہتمام نہیں کرتے۔اور دوسری بات یہ کہ یہ لوگ (رات کے اخیر میں) ظاہر ہونے والی پہلی روشنی کو فجر کہتے ہیں،تو انہوں نے اسی بنیاد پر نقشے مرتب کئے۔

پرانے نقشوں کی غلطی اور شرعی طور پر درست اور صحیح وقت فجر کے بارے میں لکھتے ہیں:

واما فی الشرع ؛ فا لضوء الاول هو الفجر الكاذب ، ومن هنا وقع الخطأ، وكان مقداره مقدار ما بين الفجرين ،وهو عشرون دقيقة، وتزيد ثلاثة دقائق او تنقص حسب طول اليل والنهار ۔..... (مسئلة تقديم وقت اذان الفجر... ص ٣)

ترجمہ:۔جبکہ شریعت میں ،پہلی ظاہر ہونے والی روشنی صبح کاذب کہلاتی ہے،لہٰذا یہاں آکر (فجر کی تعیین میں) غلطی ہوگئی۔اور فجرین (صبح کاذب اور صبح صادق) کے درمیان وقفہ،دن رات کے دورانیہ میں تفاوت کی وجہ سے،کم وبیش 20 منٹ ہوتا ہے۔

اور اپنے اس دعوے پر دلیل کے طور پر مندرجہ ذیل تجرابات نقل کرتے ہیں:

وقد قامت عدة مشاهدات و شهادات من فضلاء،وتمت عدة دراسات تبين بالدليل العلمى ،والرواية الواقعية،ان معظم التقاويم و منها تقويم ام القرى ،قد وقعت فى هذا الخطأ ،اذ وقت الفجر فيها على الكاذب۔

(مسئلة تقديم وقت اذان الفجر... ص ٣)

ترجمہ:۔اور اس حوالے سے بار بار مشاہدات کرائے گئے،اور علمی بحث وتمحیص پر مشتمل بہت سارے فقہی مجالس اس موضوع پر منعقد کئے گئے،کہ اوقات نماز کے بہت سارے نقشے جن میں سے ایک ''تقویم ام القری'' (مکہ مکرمہ کا نقشہ اوقات) بھی ہے،میں یہ غلطی ہوگئی ہے کہ اس میں نماز فجر کا وقت دراصل صبح کاذب کا وقت ہے۔

شیخ عدنان العرعور نے صرف اپنی تحقیق اور فیصلے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ علماء عرب میں سے بہت سارے محققین جنہوں نے اس غلطی کو محسوس کیا،ان کی مختصراً تفصیل کیساتھ تذکرہ ضروری سمجھ کر نقل کر دیا،ذیل میں ملاحظہ ہو:

﴿9﴾ علماء ومشائخ سعودیہ:

شیخ علماء عرب مملکت سعودیہ میں سے شیخ عمر بن عبد العزیز العثمان،د.سعید بن زعیر ،عبد المحسن العبیکان،عبد العزیز السدحان،سلیمان الدھمان،عبد اللہ السلطان وغیرہ شیوخ کے بارے میں لکھتے ہیں :

قام اخوة شيوخ فضلاء من طلبة العلم فى السعودية ،باستطلاع الفجر،فى اكثر من مجموع اكثر من مرة،وتبين لهم صحة ماذكرنا ... (مسئلة تقديم وقت اذان الفجر... ص ٥)

ترجمہ: علماء عرب،سعودیہ،میں سے بہت سے فضلاء نے کئی دفعہ فجر صادق کی تحقیق کی نتیجۃ ان کو وہی بات درست ثابت ہوئی جو اوپر ہم نے بیان کیا۔

﴿10﴾ علماء سوڈان : کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

قام اخوة من انصار السنة فى السودان اباستطلاع الفجر ،وكنت معهم ، و تبين لهم صحة ما ذكرنا۔

..... (مسئلة تقديم وقت اذان الفجر... ص ٦)

ترجمہ:۔سوڈان میں انصار السنۃ کے ساتھیوں نے بھی وقتِ فجر کے حولاے سے تحقیق کی،میں بھی ان کے ساتھ تھا،تو ان کو بھی وہی حقیقت سامنے آئی جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔

﴿11﴾ علماءمصر : کے بارے میں رقمطراز ہیں:

شهـادـة من شيوخ مصر : قد صدرت فتوى من شيخ الازهر توافق قريباً مما ذكرنا ،وصرح الشيخ محمد حسان والشيخ مصطفى العدوى بمثل ما ذكرنا ،وقال الشيخ العدوى : " وقد راقبت ذالك بقريتى بمصر فاذا بهذا الخط الابيض (الفجر الصادق)يظهر بعد الأذان المثبت فى التقاويم بمدة تدور حول الثلث ساعة ـ

(مسئلة تقديم وقت اذان الفجر... ص ٦)

ترجمہ:۔شیوخ مصر کا حوالہ یہ ہے کہ: جامعہ ازہر کے شیخ (مفتی) نے جو فتوی دیا ہے وہ ہمارے موقف سے قریب تر ہے۔اور الشیخ محمد حسان اور الشیخ مصطفیٰ العدوی نے تو صراحت کیساتھ وہی بات بیان کی جو ہم نے کہا ہے۔مثلاً الشیخ العدوی ہی تحریر فرماتے ہیں :میں نے اپنے گاؤں صبح صادق کا مشاہدہ کیا تو معلوم ہوا کہ صحیح خط ابیض (صبح صادق) تقاویم کے مطابق دی گئی اذان سے ثلث الساعۃ (گھنٹے کا تیسرا یعنی 20 منٹ) تاخیر سے ظاہر ہوگئی۔

مذکورہ بالا شواہد کے علاوہ الشیخ عدنان العرعور صاحب نے مزید ایسے محققین کی طرف سے چند تحریرات کے حوالے دیکر لکھا ہے کہ پرانے نقشوں کے ابطال کے حوالے سے ان حضرات نے مستقل تصنیفات تحریر کئے ہیں۔ضروری اقتباسات کو قارئین کیلئے نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

﴿12﴾ الدكتور سليمان بن ابراهيم الثنيان

الاولى : قام الدكتور سليمان بن ابراهيم الثنيان ببحث بعنوان " اوقات الصلوات المفروضة " ،وقد ذكر فيه انه قام برصد الفجر لعام كامل ،وان وقت الفجر حسب تقويم ام القرى، متقدم عن التقويت الشرعى للفجر ما بين 15 دقيقة الى 24دقيقة حسب فصول السنة ..... (مسئلة تقديم وقت اذان الفجر... ص ٦)

ترجمہ:۔ اول یہ کہ ڈاکٹر سلیمان بن ابراہیم الثنیان نے بعنوان ''اوقات الصلوٰۃ المفروضۃ'' ایک تحریر لکھتے ہوئے یہ ذکر کیا ہے کہ ''ام قریٰ'' کے نقشے میں صبح صادق کا دیا گیا وقت شرعی صبح صادق سے 15 سے 24 منٹ کے، پورے سال کے حساب سے، پہلے ہے۔

﴿13﴾ الشيخ عبد الله بن ابراهيم التركى

الثانية : قام الباحث الشيخ عبد الله بن ابراهيم التركى ببحث اثبت فيه التفاوت بين الواقع و تقويم ام القرى فى وقت الفجر، وكان يشهد الشهود على طلعاته و مشاهداته ـ .....

..... (مسئلة تقديم وقت اذان الفجر... ص ٦)

ترجمہ:۔دوسرا یہ کہ شیخ عبداللہ بن ابراہیم ترکی نے بھی اپنی تحقیق میں ''ام قریٰ'' کے نقشے میں وقت فجر کا کافی فرق ثابت کیا ہے ۔اور اس مقصد کیلئے شیخ نے متعدد مشاہدات کئے ہیں

﴿14﴾الاسنا (ISNA)

الثالثة : قامة منظمة (الاسنا) الاسلامية بامريكا الشمالية بدراسة الاوقات كلها واثبت صحة ما ذكرنا ،وصدرت توقيتاً معروفاً عند المسلمين.....(مسئلة تقديم وقت اذان الفجر.... ص٦)

ترجمہ :تیسرا یہ کہ شمالی امریکہ میں اسنا(ISNA) نامی (فن فلکیات کی تحقیقات کا) ایک اسلامی ادارہ ہے، وہاں جو تحقیق اوقات پر ہوئی ہے، وہ بھی ہماری ذکر کردہ تحقیق کے مطابق ہے۔جس نے (وہاں کے) مسلمانوں کیلئے اوقات نماز کے نقشے مرتب کئے ہیں۔

خلاصہ کلام: (۱) اعتراضات کے جوابات کا خلاصہ یہ ہوا کہ چونکہ پرانے نقشے، محققین علماء کی طرف سے نہیں بلکہ، ویسے بغیر پرکھ کے ان دیکھے عملی طور پر مشہور ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اس کو جمہور کا عمل قرار دیکر اس کی مخالفت کو مطلقاً ناجائز سمجھنا قطعاً اصولِ تحقیق کے خلاف ہے۔ پھر خصوصاً جب اس کے برعکس محققین علماء کی ایک کثیر تعداد ان نقشوں میں غلطی کے قائل ہوں، اور ان محققین کی طرف سے یہ فیصلہ کوئی جزباتی یا مبنی برتعصب نہ بلکہ ان میں اکثریت نے ذاتی طور پر تجربات ومشاہدات کر کے یہ نتائج اخذ کئے ہیں جن کے تفصیلی حوالجات اوپر گزر چکے ہیں، اور پھر خصوصاً علماء عرب اور شیوخ حضرات نے یہ فیصلہ بحث وتمحیص پر مشتمل فقہی مجالس اور کانفرنسوں میں شرعی اصول وقواعد کو مدنظر رکھ کر ایک طویل طریقہ کار (process) سے گزرتے ہوئے کافی غور وحوض کے بعد کیا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص یہ جملہ دہراتا پھرے کہ پرانے (یعنی 18 درجے والے) نقشے پر جمہور کا عمل ہے لہٰذا اس کے خلاف کوئی تحقیق نا قابل قبول ہے تو یہ بات حقانیت سے کوسوں دور ہے، اور جب یہ عمل حقیقتاً جمہور کا عمل نہ رہا تو 15 درجے والی تحقیق کسی کا تفرد قرار دینا خود بخود باطل ہو گیا۔

(۲) دوسری بات یہ ثابت ہوگئی کہ ظاہری طور پر کسی چیز کی شہرت اس کی صحت اور اصلیت پر دلالت ہرگز نہیں کرتی۔ کیونکہ احتمالِ خطاء ہر جگہ موجود ہے۔ علامہ شامی نے فقہاء احناف کے بڑے بڑے مضبوط اور قدآور شخصیات کی طرف سے وقوع خطاء کا تذکرہ فرما کر ان لوگوں کو سبق دینے کی کوشش کی ہے کہ جو لوگ فتویٰ دینے کی جسارت کریں گے تو ان پر لازم ہے کوئی بھی مسئلہ ہو اصل مآخذ سے نقل کرنا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ایک غلطی کسی بھی صورت میں کہیں سے بھی جب نکل پڑتی ہے تو پھر صدیوں کو پار کرنے سے پہلے وہ رکتی نہیں۔ گویا محققین اور اہل علم حضرات کا قول وعمل چونکہ قابل اقتداء ہوتے ہیں لہٰذا ان حضرات کو مسائل کے میدان میں انتہائی احتیاط اور حد درجہ بیداری سے کام لیکر چلنا چاہئے ورنہ ان کی ایک لغزش مسلمانوں کی عملی بربادی کا سامان بن سکتی ہے۔ لہٰذا اس اصول کو مدنظر رکھ کر اعتراض کرنے والوں نے کبھی فریقین (قائلین 18 درجے اور قائلین 15 درجے) کے دلائل، استنباط واستدلال اور محققین کی آراء کا منصفانہ جائزہ لیا ہے؟؟؟

(واللہ اعلم)

شوکت علی قاسمی (آف صوابی)

Email # shaukatswabien@yahoo.com

Mob.NO: 0321-9890583

Dated : 15 Nov. 2008